فقہ اسلامی

اور غیر مقلدین

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم / بنگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

فقہِ اسلامی

اور غیر مقلدین

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

النّاشر

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب : فقہ اسلامی اور غیر مقلدین
مصنف : حضرت مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
صفحات : ۱۰۳
تاریخ طباعت : ذوالقعدۃ ۱۴۳۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۴ء
ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور
موبائل نمبر : 9634307336 \ 9036701512
ای میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

فہرستِ مضامین

مضامین	صفحہ
گذارش احوال واقعی	۶
فقہ کی حقیقت وضرورت	۱۱
اسلام کے دو بنیادی ماٰخذ	۱۱
اجماعِ امت	۱۲
قیاس واستنباط	۱۴
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۷
کیا قیاس ممنوع ہے؟	۱۸
مجتہد ہر حال میں مستحق اجر ہے	۱۹
فقہ کیا ہے؟	۲۰
فقہ قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ ہے	۲۰
شریعت میں ''تفقہ'' کا مقام	۲۱
لفظِ ''فقہ'' کا ماخذ حدیث ہے	۲۴
محدث وفقیہ کا فرق	۲۴
عدمِ تفقہ کے مضحکہ خیز نتائج	۲۶
محدث بھی فقیہ کا محتاج ہے	۲۸
فقہا کا مقام ابن قیم رحمۃ اللہ کی زبانی	۳۰
فقہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں	۳۰

صفا و مروہ کے درمیان سعی کا حکم ۳۱
نماز میں ہنسنا ناقضِ نماز ہے ۳۲
کیا پانی نہ ملنے پر جنبی تیمم کرے؟ ۳۳
میراث کا ایک مسئلہ ۳۴
فروعی اختلافات اور ان کی نوعیت ۳۵
اختلاف کی دو قسمیں ۳۶
فروعی اختلاف مذموم نہیں ۳۸
صحابہ میں رضی اللہ عنہم اختلاف مسائل کی مثالیں ۴۱
اختلاف کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟ ۴۴
اختلافِ ائمہ کی پہلی وجہ ۴۵
اختلافِ ائمہ کی دوسری وجہ ۴۷
اختلافِ ائمہ کی تیسری وجہ ۵۰
تین وضاحتیں ۵۱
اختلاف میں اتفاق کا مظاہرہ ۵۲
حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۵۴
آمدم برسرِ مطلب ۵۵
غیر مقلدین کے دعویٔ عمل بالحدیث پر ایک نظر ۵۶
امام کے پیچھے خاموش رہو! ۵۶
تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کیا ۵۷
جوتوں کے ساتھ نماز ۵۸
تراویح چار چار رکعت اور گھر میں ۵۸

ایک مجلس کی تین طلاقیں	۵۹
مصافحہ دو ہاتھ سے	۶۰
نماز وقتِ مقررہ پر	۶۰
بغیر سورۂ فاتحہ وضم سورت نماز نہیں	۶۱
بیت الخلا میں قبلہ رخ ہونا	۶۱
خلفائے راشدین کی سنت پر عمل	۶۲
فقہ پر غیر مقلدین کے اعتراضات کا جائزہ	۶۳
کیا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟	۶۳
فقہی کتب میں فحش مضامین ہونے کا جواب	۶۷
فقہ میں اختلاف ہونے کا جواب	۶۹
فقہ میں چار ہی امام کیوں؟	۷۱
فقہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وفقہ عمر رضی اللہ عنہ کی کیوں تقلید نہیں کی جاتی؟	۷۳
کیا بخاری رضی اللہ عنہ ومسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث سب پر مقدم ہے؟	۷۵
کیا فقہ حنفی ضعیف احادیث پر مبنی ہے؟	۷۹
امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام	۸۲
کیا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث میں ضعیف تھے؟	۸۷
تقلید اجماع وقیاس کے بارے میں ایک اہم فتوی	۹۲
از امام حرم محمد بن عبد اللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ	۹۲

گذارشِ احوالِ واقعی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ،

أمّا بعد:

دین اسلام سے وابستہ معمولی درجے کا آدمی بھی اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ ہم تک جو ”دین وشریعت“ کے احکام ومسائل، حقائق ومعارف اور اس کا مزاج و انداز پہنچا، اس کا ذریعہ ووسیلہ اولاً حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں پھر تابعین وتبع تابعین اور بعد کے ائمہ محدثین وفقہاء ہیں، اگر اس واسطے کو درمیان سے اٹھا دیا جائے تو ”دین و شریعت“ سے ہماری وابستگی کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا۔

اسی لیے ہمیشہ سے اہل اسلام نے حاملین دین وشریعت صحابہ، علما، فقہا و محدثین کی عظمت و جلالت بزرگی وشرافت، دیانت و امانت، تقوی وطہارت کا اعتراف کیا ہے اور اپنی نسلوں میں اس عظمت واعتماد کو باقی رکھنے کی فکر فرمائی ہے؛ کیوں کہ اگر اسلاف پر اعتماد نہ رہا، تو نہ قرآن پر اعتماد ہوسکتا ہے اور نہ حدیث پر اور نہ دین کی کسی بات پر۔

مگر افسوس کہ بعض لوگ، اسلام دشمن عناصر کی رچائی ہوئی سازش کا شکار ہوکر اسلاف کی عظمت وجلالت اور ان کے اعتبار واعتماد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے؛ بل کہ مشکوک کرنے کی ناروا جسارت کر رہے ہیں۔

کبھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم شخصیات پر تنقید وجرح کرتے ہیں کبھی تابعین و تبع تابعین وائمہ فقہ وحدیث کو ہدف ملامت بناتے ہیں کبھی ان کی شخصیات کو موردِ لعن

وطعن قرار دیا جاتا ہے تو کبھی ان کے کارناموں اور قربانیوں اور خدمات کو ہدفِ الزام بنا کر ان میں کیڑے نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ سب دراصل انگریزی وسامراجی قوتوں کا پیدا کردہ ناپاک فتنہ ہے، جس کا مقصد اسلاف اور ان کی خدمات سے اعتماد کو ختم کرنا اور اہلِ اسلام میں دین وشریعت کے بارے میں شک وریب پیدا کرنا ہے، اس فتنے وسازش میں جہاں بہت سے لوگ ملوث ہوئے، وہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر ''طبقۂ غیر مقلدین'' بھی اس سازش کا آلۂ کار بن گیا اور اس نے مسلسل حضرات ائمہ وفقہا؛ بل کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدفِ ملامت بنا کر، لوگوں کے درمیان اختلاف وانتشار اور اسلاف سے بے اعتمادی وبدظنی کی فضا پیدا کر دی ہے۔

اس طبقے نے اپنا نام اہلِ حدیث رکھا ہے۔ یہ دراصل اس لفظ کا غاصبانہ قبضہ ہے، جس طرح منکرینِ حدیث نے اپنا نام ''اہلِ قرآن'' رکھ لیا ہے اور اس لفظ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے، قرآن وحدیث پر عمل پوری امت کا مشترکہ ورثہ ہے، صرف اپنے کو ''اہلِ قرآن'' کہنا یا ''اہلِ حدیث'' کہنا اور پوری امت کو قرآن کا یا حدیث کا باغی یا منکر قرار دینا، انتہائی جسارت کی بات ہے، پھر خاص طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم وفقہا وائمہ کو بھی قرآن وحدیث کے باغی اور اپنی رائے کے پابند کہنا انتہائی درجے کی جسارت ہے؛ مگر یہ طبقہ اس جسارت ہی کو اپنی پوری لیاقت وحقانیت سمجھتا ہے۔

پھر جن مسائل کو عام طور پر یہ لوگ اچھالتے اور عوام کو انتشار وپریشانی میں مبتلا کرتے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں زمانۂ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس فروعی وجزئی اختلاف کو صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد بھی ہر زمانے کے علما وائمہ نے نہ تو حق وباطل کا اختلاف سمجھا اور نہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر اعتراض ونکیر فرمائی بلکہ اس اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احترام و

اکرام، محبت وعظمت اور حسن سلوک ورعایت ادب کا معاملہ فرمایا؛ مگر غیر مقلدین انھی مسائل اختلافیہ کو حق وباطل؛ بل کہ ایمان وکفر کا اختلاف سمجھتے اور سارے ائمہ وعلما اور عام مسلمین کی تفسیق وتضلیل اور تکفیر وتذلیل کرتے ہیں۔

ان کا کہنا تو یہ ہے کہ امت میں اتحاد ہونا چاہیے؛ مگر اتحاد کی جو صورت یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ نہ شرعاً قابل قبول ہوسکتی ہے اور نہ عقلاً قابل اعتبار؛ کیوں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ائمہ وفقہا کو چھوڑ دو اور سب کے سب قرآن وحدیث پر جمع ہو جاؤ۔ بہ ظاہر یہ نعرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے؛ لیکن نہ شرعاً یہ قابل قبول ہے نہ عقلاً۔

شرعاً تو اس لیے کہ اس نعرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاہل کو قرآن وحدیث کی تشریح کا حق دے دیا جائے اور ائمہ وفقہا نے جو تشریحات وتوجیہات بیان کی ہیں ان کو فضول سمجھا جائے اور جاہل واناڑی لوگوں کے ہاتھوں میں قرآن وحدیث دے کر ان کا کھلواڑ کیا جائے، ظاہر ہے کہ شریعت اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

اور عقلاً یہ اس لیے ناقابل اعتبار ہے کہ اگر ایسا کیا بھی جائے گا تو پھر بھی قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہوگا، جس سے بچنے کے لیے انھوں نے یہ مشورہ دیا ہے؛ بس فرق یہ ہوگا کہ اسلاف کے مابین جو اختلاف ہوا اس کی بنیاد علم و تحقیق اور دلائل وبراہین تھے اور ان غیر مقلدین کے مابین جو اختلاف ہوگا (بل کہ ہوا) وہ جہالت وبے خبری کی بنیاد پر ہوگا، چناں چہ ان میں بھی کئی فرقے بن چکے ہیں جو ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ لوگ جو اتحادِ امت کا نعرہ لگاتے ہیں ائمہ اسلاف کو اور اہل اسلام کو مشرک، کافر، فاسق وفاجر کہہ کر اتحاد کس طرح پیدا کریں گے؟! جب کہ ان کی یہ روش انتہا درجے اختلاف وانتشار پیدا کرتی ہے؟

یہ لوگ عموماً ''بخاری شریف'' اور ''مسلم شریف'' پر عمل کے مدعی ہیں اور دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ''بخاری و مسلم'' میں حدیث دکھاؤ، جب کہ نہ اللہ نے فرمایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صرف ''بخاری و مسلم'' کی حدیثوں پر عمل کرو پھر ''بخاری و مسلم'' کی حدیثوں پر صحیح ہونے کا حکم اور اس پر ایسا پختہ عقیدہ، محض ''امام بخاری رحمۃ اللہ و امام مسلم رحمۃ اللہ '' کی تقلید میں ہے، جب کہ یہ لوگ فقہا کی تقلید کو حرام و شرک کہتے ہیں اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور فقہائے کرام کی تقلید شرک ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ و امام مسلم رحمۃ اللہ کی تقلید کرنا کیسے جائز ہوا؟

پھر یہ لوگ تقلید کو حرام و شرک کہتے ہیں حالاں کہ ان کے عام لوگ؛ بل کہ عام علما بھی ان کے اپنے علما ہی کی تقلید کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک واقعہ جو خود میرے ساتھ پیش آیا تھا عرض کردوں: ایک دن میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک صاحب نے آ کر ملاقات کی پھر کچھ مسئلہ پوچھا، میں نے جواب دیا تو وہ صاحب پوچھنے لگے کہ کیا یہ بات ''بخاری'' میں ہے؟ اب میں سمجھا کہ یہ صاحب غیر مقلد ہیں؛ کیوں کہ ''بخاری شریف'' کو تو پوری امت مانتی ہے؛ مگر دین کو ''بخاری'' میں یا ''مسلم'' میں منحصر سمجھنا غیر مقلدین کی خصوصیت ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب ''بخاری شریف'' سے ثابت ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں! میں نے کہا کہ آپ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے ہیں؟ کہا کہ سینے پر باندھتا ہوں میں نے کہا کہ یہ ''بخاری'' میں کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ کیا ''بخاری'' میں نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ دعویٰ آپ کریں اور دلیل میں دوں؟ میں نے کہا کہ یہ نہ ''بخاری'' میں ہے نہ ''مسلم'' میں ہے، اب تو بڑے پریشان ہوئے، پھر کہنے لگے

کہ نہیں، ''بخاری'' میں ضرور ہوگا، میں فلاں (نام لے کر) مولانا سے پوچھ کر آتا ہوں، میں نے کہا کہ یہی تقلید ہے کہ آپ صرف اپنے علما کے کہنے پر کہ ''بخاری'' میں ہے عمل کررہے ہیں اور آپ کو خود پتہ نہیں ہے کہ یہ ''بخاری'' میں ہے یا نہیں؟ اور آپ کے نزدیک تقلید شرک ہے، پھر میں نے کہا کہ آپ کسی بھی اپنے عالم سے پوچھ لیں اور جب بھی ''بخاری یا مسلم'' میں مجھے ایسی حدیث دکھا دیں تو ایک لاکھ کا انعام دوں گا، یہ صاحب اب بھی اِدھر اُدھر نظر تو آتے ہیں؛ مگر آنکھ بچا کر چلے جاتے ہیں، افسوس کہ انعام لینے کی جرأت، وہ آج تک نہ کرسکے۔

غرض یہ کہ خود غیر مقلدین بھی تقلید کرتے ہیں؛ مگر تقلید کو شرک کہتے ہیں اور ائمہ کے خلاف لوگوں کا ذہن بناتے ہیں اسی اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کے لیے اور عوام کو اصل حقیقت سمجھانے کے لیے زیرِ نظر مضامین، مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے، ان میں سے بعض مضامین ''روزنامہ سالار، بنگلور'' میں شائع ہوچکے ہیں، اب ضرورت پر ان سب کو جمع کرکے اور بعض مضامین کا اضافہ کرکے کتابی صورت میں، پیش کیا جارہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور لوگوں کے لیے مفید وبارآور فرمائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

۸ر صفر ۱۴۲۲ھ مطابق: ۳۰ر مئی ۲۰۰۱ء

احاطۂ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور۔

باسمہ تعالیٰ

فقہ کی حقیقت وضرورت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور احسان سے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکامات اور تعلیمات نازل فرمائے اور ان کے نزول کے لیے مقدس ذوات کا انتخاب فرمایا، جن کو انبیائے کرام کہا جاتا ہے اور ان کے قول وعمل، ان کی سیرت و کردار اور ان کے حالات ومعاملات کے ذریعے اپنے احکام وفرامین کی تشریح وتوضیح فرمائی، اس طرح انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک طرف خدائی احکام کا مجموعہ تھا، تو دوسری طرف نبی کے اقوال واعمال اور اس کی سیرت وکردار کا اُسوہ بھی تھا، آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے، تو آپ پر اللہ کا آخری ودائمی کلام نازل ہوا جس کو ”قرآن مجید“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کے اقوال و افعال، آپ کے کوائف و احوال اور آپ کی سیرت وکردار کے ذریعے اس کلامِ ربانی وحقانی کی تشریح وتوضیح اور تبیین وتفہیم اور اس کے احکام پر عمل کی ترتیب وتسہیل کرائی گئی، اس طرح ہماری ہدایت کے لیے دو چیزیں بنیادی واساسی ماخذ کی حیثیت سے مقرر فرمادی گئیں: ایک قرآن مجید، دوسری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

اسلام کے دو بنیادی ماٰخذ

چنانچہ حدیث پاک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت۔ (۱)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳۱

نیز ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جابر ﷺ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور بدترین کام نیا ایجاد کردہ کام (بدعت) ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (۱)

اس حدیث میں ایک اللہ کے کلام کا اور دوسرے طریقۂ محمدی (سنت) کا ذکر کرکے باقی امور کو "شر" قرار دیا گیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مأخذ قرآن و حدیث ہیں۔

اجماعِ اُمت

ہاں قرآن و حدیث ہی سے کچھ اور مأخذ کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً اجماعِ اُمت کہ اگر کسی بات پر صحابہ کرام ﷺ یا تمام علما و ائمہ کا اتفاق ہو جائے، وہ بھی ایک مأخذ اور دلیل ہے۔ علما نے اجماع کی تعریف یہ لکھی ہے:

"الإجماع هو اتفاق جميع المجتهدين من المسلمين في عصر من العصور بعد وفاة الرسول على حكم شرعي في واقعة."

(اجماع نام ہے امتِ محمدیہ میں سے اہلِ حل وعقد (علما و ائمہ) کا بعد وفات رسول کسی زمانے میں کسی واقعے کے حکم پر اتفاق کرنے کا۔) (۲)

علامہ عبدالوہاب خلاف رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإذا وقعت حادثة، وعرضت على جميع المجتهدين من الأمة الإسلامية وقت حدوثها، و اتفقوا على حكم فيها سمي اتفاقهم إجماعا، و اعتبر إجماعهم على حكم واحد، فيها دليلا على أن هذا الحكم، هو الحكم الشرعي في الواقعة."

---

(۱) مسلم: ۱۴۳۵ (۲) علم اصول الفقہ: ۴۵، الاحکام للآمدی: ۲۵۴

(جب کوئی واقعہ ومسئلہ درپیش ہو اور اُمتِ اسلامیہ کے ائمۂ مجتہدین کے سامنے اسی زمانے میں وہ پیش کیا جائے اور وہ سب کے سب اس بارے میں ایک حکم پر اتفاق کریں، تو اس اتفاق کو ''اجماع'' کہا جاتا ہے اور ان کے ایک ہی حکم پر اجماع اور اتفاق کر لینے کو اس بات کی دلیل قرار کر دیا جائے گا کہ اس واقعے ومسئلے میں حکم شرعی یہی ہے۔ (۱)

اجماع کے حجت ودلیل ہونے کی دلیل قرآن وحدیث میں وارد ہے۔

قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (اَلنِّسَآء: ۱۱۵)

(جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور جو اہل ایمان کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے گا، تو ہم اس کو اس طرف لے جائیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا اور ہم اس کو جہنم رسید کریں گے۔)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''قال العلماء في قوله تعالى: ''ومن يشاقق الرسول'' دليل على صحة القول بالإجماع .''

(علما نے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے صحیح ہونے کی دلیل ہے) (۲)

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''استدل الشافعي ، و تابعه الناس بقوله تعالى ''ومن يشاقق الخ'' على حجة الإجماع ، و تحريم مخالفته'' (امام شافعی اور دیگر لوگوں نے

---

(۱) علم اصول الفقہ: ۴۵ (۲) قرطبی: ۵/۳۸۷

آپ کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے حجت ہونے اور اس کی مخالفت کے حرام ہونے کی دلیل ہے)(۱)

نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لاَ تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلٰى ضَلاَلَةٍ“

(میری اُمت گمراہی پر اتفاق و اجماع نہیں کرسکتی۔) (۲)

اس حدیث سے بھی علما نے استدلال کیا ہے کہ اُمت کا اجماع حجت و دلیل ہے؛ کیوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا اگر اُمت کسی بات پر اجماع کرلے، تو وہ حق ہی پر اجماع ہوگا۔

غرض یہ کہ قرآن و حدیث ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دلیل و ماٰخذ اجماعِ اُمت بھی ہے، جس سے احکام کا علم ہوتا ہے۔

قیاس و استنباط

اسی طرح قرآن و حدیث ہی سے ایک اور دلیل بھی ثابت ہوتی ہے، اس کو فقہائے کرام کی زبان میں قیاس کہا جاتا ہے اور اصولیین کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے:

" هو إلحاق واقعة لا نص على حكمها في الحكم الذي ورد به النص، لتساوي الواقعتين في علة هذا الحكم“ (جس مسئلے کا قرآن و حدیث میں منصوص حکم نہ ہو، اس کو حکم کے اعتبار سے اس مسئلے سے ملانا جس کا حکم منصوص ہے؛ اس وجہ سے کہ دونوں مسئلوں اور واقعات کی علت ایک ہے؛ لہٰذا منصوص مسئلے کا حکم غیر منصوص کے لیے ثابت کیا جاتا ہے، اس کو ”قیاس“ کہتے ہیں)۔ (۳)

مثال کے طور پر ایک شخص جمعہ کے دن، جمعہ کی اذان کے بعد اسکول میں

---

(۱) استنباط التنزیل: ۸۲ (۲) ترمذی: ۲/۳۹، ابوداود: ۲/۵۸۴

(۳) علم اصول الفقہ للعلامہ خلاف: ۵۲

بچوں کو پڑھاتا ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی منصوص حکم نہیں ہے، مگر فقہائے کرام قیاس سے اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اذانِ جمعہ کے بعد تجارت ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اذانِ جمعہ کے بعد تجارت وبیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ خطبۂ جمعہ ونمازِ جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا یہ علت اور وجہ جہاں بھی پائی جائے، فقہائے کرام وہ حکم بھی اس پر لگاتے ہیں، جو اذانِ جمعہ کے بعد تجارت کا قرآن نے بیان کیا ہے: لہٰذا تعلیم وتعلم ہو یا اور کوئی کام جس سے کہ نمازِ جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے، وہ ناجائز ہوگا۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے فرمایا:

”حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد فرماتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر پر اعتبار کرتے تھے، پھر متعدد مثالیں لکھ کر فرمایا کہ امام مُزنی رحمۃ اللہ (شافعی) نے کہا کہ فقہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک برابر تمام فقہی احکام میں جو ان کے دین سے تعلق رکھتے ہیں، قیاس کا استعمال کرتے آرہے ہیں اور فرمایا کہ فقہا نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حق کی نظیر حق اور باطل کی نظیر باطل ہوتی ہے؛ لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ قیاس کا انکار کرے۔“(۱)

قیاس کی حجیت قرآن وحدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے، یہاں صرف ایک ایک دلیل پر اکتفا کرتا ہوں۔ ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً﴾ (النساء: ۵۹)

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۲۰۳-۲۰۵

اس سے معلوم ہوا کہ جن مسائل و معاملات میں اللہ و رسول کا صریح حکم نہیں ہے، ان میں اللہ و رسول کے بیان کردہ احکام میں غور و خوض کر کے حکم معلوم کیا جائے گا اور یہی قیاس ہے۔

اور حدیث سے اس کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، تو پوچھا کہ اگر تمھارے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہو، تو تم کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر سنتِ رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول میں بھی وہ مسئلہ نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں میری رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی نہ کروں گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث کی صحت کی طرف مائل ہیں۔(۱)

غرض یہ کہ جمہور علما و ائمہ کے نزدیک قرآن و حدیث کی روشنی میں قیاس مجتہد بھی ایک دلیل ہے جس سے قرآن و حدیث میں پوشیدہ و مخفی حکم ظاہر ہوتا ہے، یہ نہیں کہ قیاس کے ذریعہ احکام بنائے و تراشے جاتے ہیں۔ اسی لیے علمائے اصول نے لکھا ہے کہ ”**القیاس مُظهر لا مثبت**“ (قیاس پوشیدہ احکام کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ نئے احکام ثابت کرتا ہے۔)(۲)

---

(۱) دیکھو: اعلام الموقعین: ۲۲/۱ (۲) اصول البزدوی: ۲۴۹

یہ کل چار دلائل ہیں جو جمہور علمائے اُمت کے نزدیک معمول بہا و معتبر ہیں اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل: بل کہ دیگر ائمہ مجتہدین سب کے سب ان چاروں دلیلوں کو مانتے ہیں، سوائے اہل الظاہر کے (جن میں آج کل کے اہل حدیث حضرات بھی داخل ہیں) اور بعض فرقوں کے کوئی اس کا منکر نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کم فہم لوگ قیاس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ کرام محض اپنی عقل و فہم سے جو مناسب خیال کرتے ہیں، اس کا حکم دیتے ہیں، حالاں کہ قیاس کے معنی یہ نہیں ہیں، اگر یہ معترض لوگ ''اصول فقہ'' کی کتابوں میں قیاس کی حقیقت و تعریف کھول کر پڑھتے تو شاید غلط فہمی سے محفوظ رہتے اور ائمہ کرام سے بدگمانی و بدزبانی میں مبتلا نہ ہوتے۔

پہلے یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ آئے دن مختلف واقعات و حوادث پیش آتے رہتے ہیں اور عجیب و غریب مسائل و حالات سے ہم دو چار ہوتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث میں ان نئے احوال و حوادث کا صاف صاف کوئی حکم نہیں ملتا، اب ایسی صورت میں ایک راستہ تو یہ ہے کہ ہم یوں کہہ دیں کہ یہ احوال و حوادث شرعی والٰہی قانون و حکم سے آزاد و خارج ہیں، ان کا کوئی حکم نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلام کے مکمل و کامل ہونے کے خلاف ہے، جس کا اعلان بڑی شد و مد کے ساتھ قرآن کریم نے فرمایا ہے اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے ان حالات و واقعات کی نظیروں کو تلاش کیا جائے اور ان نظائر پر ان نئے احوال و حوادث کو قیاس کر کے وہی حکم ان کے لیے بھی ثابت کیا جائے، اسی دوسرے طریقے کا نام فقہا کی اصطلاح میں قیاس ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ عقلاً و عرفاً بھی پسندیدہ ہے اور اسلام کے کامل و مکمل ہونے سے زیادہ موافقت و مطابقت بھی رکھتا ہے۔

چناں چہ تمام فقہائے کرام غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لے کر ان کا

شرعی حکم تلاش کرتے اور قرآن وحدیث میں مذکور نظائر و امثال سے ان کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔

اس خاص مسئلے اور واقعے میں بہ ظاہر قرآن وحدیث ساکت ہیں؛ لیکن ایک دوسرے واقعے سے اس کا حکم مستنبط کیا گیا ہے، اس کو قیاس کہتے ہیں اور حدیث میں بھی صراحتاً اس کی اجازت آئی ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے مسائل میں قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔

کیا قیاس ممنوع ہے؟

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہاں یہ شبہ ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے کرام سے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں رائے سے کام لینا حرام ہے، تو پھر قیاس کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دین میں رائے سے بچو۔ نیز فرمایا کہ اصحاب الرائے سنتوں کے دشمن ہیں۔ (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقہا چلے جائیں گے تو پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے اور ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ نیز فرمایا: ”میری یہ رائے ہے، میری یہ رائے ہے“ کہنے سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ ”میری رائے میری رائے“ کہنے سے ہی ہلاک ہوئے۔ الخ (۲)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے اعلام الموقعین میں اور علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں متعدد حضراتِ صحابہ سے نیز علما و فقہا سے دین میں رائے کے استعمال کی مذمت و برائی نقل کی ہے؛ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے مراد وہ رائے ہے، جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو، باقی غیر منصوص مسائل میں نظائر و امثال پر نظر

---

(۱) اعلام: ۱/۵۵ (۲) اعلام الموقعین: ۱/۵۷

کرتے ہوئے ان کا حکم مستنبط کرنا یہ خود صحابہ سے اور فقہا سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ کے حوالے سے اوپر عرض کر چکا ہوں، لہٰذا اس قسم کے اقوال سے حضراتِ فقہا پر خصوصاً فقہِ حنفی کے ائمہ پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ لوگ رائے اور قیاس کو دین میں داخل کرتے ہیں اور گناہ کا کام کرتے ہیں، انتہائی غباوت اور جہالت کا کام ہے اور نہ صرف ائمہ پر؛ بل کہ حضرات صحابہ پر بھی الزام و بہتان ہے۔

بہ ہر حال اجتہادی غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لیا جاتا ہے اور یہاں بھی مجتہد ائمہ کرام کی آرا میں اختلاف ہو سکتا ہے: کیوں کہ ایک امام و مجتہد نئے مسئلے کے حل کے لیے قرآن و حدیث میں غور کر کے کسی بات کو اس کی نظیر سمجھتا ہے اور اس کا حکم بیان کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی مسئلے کے لیے کسی بات کو اس کی نظیر خیال کر کے دوسرا حکم بیان کرتا ہے؛ مگر اس میں بھی کسی پر کوئی ملامت نہیں؛ بل کہ ہر ایک اجتہاد کی رو سے لائق تعریف و توصیف اور مستحق اجر ہوتا ہے۔

مجتہد ہر حال میں مستحق اجر ہے

چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(جس حاکم (یا مجتہد) نے اجتہاد کیا اور صواب کو پا لیا تو اس کو دو اجر ہیں اور جس حاکم یا (مجتہد) نے خطا کی (یعنی نیک نیتی سے اجتہاد کے باوجود اس سے خطا ہو گئی) تو اس کو ایک اجر ہے)(۱)

اس حدیث میں حاکم و قاضی کے لیے ہر صورت میں اجر کا وعدہ و بشارت ہے۔

صواب کو پہنچ جانے کی صورت میں دہرے اجر کا اور خطا ہو جانے کی صورت میں ایک اجر کا اور یہی حکم مجتہد امام کا بھی ہے، چناں چہ جمہور علما نے اسی حدیث سے مجتہد کے لیے ہر صورت میں اجر ملنے کا حکم اخذ کیا ہے۔

---

(۱) بخاری:۲/۱۰۹۲، مسلم:۲/۷۶، ترمذی:۱/۲۴۷، ابوداؤد:۲/۵۰۳، نسائی:۲/۳۰۳

الغرض جو عالم قوتِ اجتہادیہ رکھتا ہے، وہ اپنے اجتہاد میں ہر صورت میں ماجور و مستحق ثواب ہے؛ لہٰذا کسی پر ملامت و مذمت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فقہ کیا ہے؟

پس ان چاروں دلائل کی روشنی میں ظاہری عبادات جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، قربانی؛ نیز طہارت اور معاملات و معاشرات وغیرہ سے متعلق شرعی احکام کا مجموعہ "فقہ" کہلاتا ہے۔ علامہ عبدالوہاب الخلاف رحمۃ اللہ اپنی کتاب لاجواب "علم اصول الفقہ" میں فقہ کی تعریف و حقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فقہ بنتا ہے ان شرعی احکام کے مجموعے سے جن کا تعلق انسان سے صادر ہونے والے اقوال و افعال سے ہو اور وہ احکام یا تو قرآن و حدیث کی نصوص سے مستفاد ہوتے ہیں یا دیگر دلائل شرعیہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ دراصل قرآنی و حدیثی نصوص اور اجماعی و قیاسی اصول کی روشنی میں مرتب احکام کا مجموعہ ہے، قرآن سے نکلے ہوئے احکام بھی اس میں ہیں اور احادیث سے مستنبط احکام بھی اس میں ہیں؛ نیز اجماعی مسائل بھی اس میں ہیں اور وہ احکام بھی اس میں ہیں جو قیاس کے ذریعے مجتہدین نے اخذ و استنباط فرمائے ہیں۔

فقہ، قرآن و حدیث ہی کا ثمرہ ہے

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ فقہ درحقیقت قرآن و حدیث ہی کا ثمرہ اور پھل ہے: کیوں کہ یہ یا تو قرآن و حدیث کے احکام منصوصہ و مستنبطہ کا مجموعہ ہے یا اجماعی و قیاسی احکام کا مجموعہ ہے (جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا) اور یہ معلوم ہو چکا کہ اجماع و قیاس بھی قرآن و حدیث کے حکم کے موافق دلائل شرعیہ میں داخل ہیں، لہٰذا جب فقہ

---

(۱) علم اصول الفقہ: ۱۱

ان چار دلائل سے حاصل شدہ احکام کا مجموعہ ہے تو وہ دراصل قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ وپھل اور خلاصہ ولب لباب ہے۔

فقہ کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھنا یا ان سے ہٹی ہوئی یا زائد چیز سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور سطحیت پسندی کا نتیجہ ہے یا تعصب وناانصافی کا کرشمہ، ورنہ حق پسند و انصاف پسند صاف محسوس کرے گا کہ فقہائے کرام کی کوششوں کے نتیجے میں تیار ہونے والا فقہ کا یہ عظیم ذخیرہ دلائل شرعیہ ہی سے حاصل کردہ ہے اور اس کا انکار دراصل قرآن وحدیث کا انکار ہے۔

شریعت میں تفقہ کا مقام

اس اجمال کے بعد ہم اس کی تفصیل اور تحقیق میں جانا چاہتے ہیں؛ تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

''فقہ'' کا لفظ عربی زبان میں جاننے اور سمجھنے کے معنے میں آتا ہے، بعد میں اس کا استعمال زیادہ تر علم دین کے معنے میں ہونے لگا؛ کیوں کہ علم دین کو عام علوم پر سیادت وشرافت حاصل ہے۔ نیز علمانے فرمایا کہ ''فقہ'' اصل میں فہم وسمجھ کو کہتے ہیں۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دین میں فقہ عطا ہوئی یعنی دین کی سمجھ عطا کی گئی۔ (۱)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ**'' (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ (فقہ) عطا فرماتے ہیں۔ (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.**'' (ایک فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (۳)

---

(۱) لسان العرب مادہ ''فقہ'' جلد: ۵۲۲/۱۳ (۲) مشکوۃ: ۳۲ (۳) ترمذی: ۹۷/۲، مشکوۃ: ۳۴

اور بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ سونے چاندی کے کان کی طرح ہیں، جو ان میں زمانۂ جاہلیت میں (کریم الاخلاق ہونے کی وجہ سے) اچھے اور بہتر تھے، وہ لوگ اسلام میں (اسلام لانے کے بعد) بھی بہترین لوگ ہیں، جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔ (۱)

ان احادیث میں تفقہ وفقاہت (دین کی سمجھ) کی تعریف واہمیت بیان ہوئی ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں فقاہت اس کو دی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔ علامہ عبید اللہ مبارکپوری مشہور اہل حدیث عالم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

”فقہ اصل میں فہم کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ”فَقِہَ الرجل“ (قاف کے زیر کے ساتھ) جب کہ آدمی جان لے اور سمجھ جائے اور ”فَقُہ“ (قاف پر پیش کے ساتھ) اس وقت بولتے ہیں، جب کہ عالم وفقیہ ہو جائے اور عرف نے فقہ کو عملی احکام شرعیہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اس حدیث میں اس کو لغوی معنی پر محمول کرنا اولیٰ ہے؛ تاکہ علوم دین میں سے ہر علم کی سمجھ کو شامل ہو جائے۔ (۲)

دوسری حدیث جس میں فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے، یہ اگرچہ سندِ ضعیف سے آئی ہے؛ مگر چوں کہ اس کی متعدد سندیں ہیں؛ لہٰذا ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ (۳)

اس حدیث سے بھی فقہ اور دین کی سمجھ کی فضیلت وعظمت معلوم ہوتی ہے، یہاں یہ باریک نکتہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس حدیث میں جو عابد کا ذکر ہے، اس سے مراد دین کے علم سے بالکل عاری اور جاہل نہیں ہے؛ کیوں کہ عبادت کرنے والا بھی

---

(۱) مسلم شریف: ۲/ ۳۰۷، بخاری: ۲/ ۴۹۲، مشکوۃ: ۳۲، داری: ۱۸/ ۵۲

(۲) مرعاۃ المفاتیح: ۱/ ۳۰۴ (۳) المقاصد الحسنۃ: ۳۹۶، مرعاۃ المفاتیح: ۱/ ۳۲۱

کچھ نہ کچھ دین کا علم رکھتا ہے، جیسا کہ عوام الناس عبادت کرتے ہیں تو اس کے فرائض وواجبات، سنن وآداب جانتے ہیں، تب ہی تو وہ عابد ہوگا، بالکل نرا جاہل جسے دین کا کچھ بھی علم نہ ہو، وہ درحقیقت عابد بھی نہیں ہوسکتا، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس حدیث کے اوپر غور فرمایئے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام دین کا علم رکھتے ہوئے عبادت کرنے والے، ہزاروں عابدوں پر فقیہ کو مقدم فرمارہے ہیں اور شیطان پر بہ مقابلہ ہزار عابدوں کے اس کو بھاری فرمارہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہاں فقیہ سے مراد دین کا تھوڑا بہت علم رکھنے والا نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسا علم تو عابد کو بھی حاصل ہے، بل کہ فقیہ سے مراد وہ ہے جس کو دین کی سمجھ وفہم اور شریعت کے نصوص و دلائل اور ان دلائل کے استعمال کے مواقع کی مہارت دی گئی ہو یا وہ عالم مراد ہے، جو احکام دین سے اور ان کی تفاصیل سے واقف کار ہو۔ (۱)

اسی طرح تیسری حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ شریف الذات و کریم الاخلاق ہوتے ہیں، وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہترین لوگ ہوتے ہیں، جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اسلامی شرافت و بزرگی کی تکمیل صرف ”تفقہ في الدین“ سے ہوتی ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ فقہ یعنی دین کی سمجھ بوجھ اور دلائل شرعیہ ونصوص شرعیہ کو تحقیق و تفصیل سے جان کر ان کا اپنے موقعے ومحل میں استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور اسلامی شرافت وعظمت کے لیے ایک ضروری امر ہے، اس کے بغیر نہ دلائل ونصوص کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ان کا برموقعہ و برمحل استعمال ہوسکتا ہے۔ اس سے فقہ وتفقہ کی حیثیت اور اس کا اسلام میں مرتبہ ومقام واضح طور پر معلوم ہوگیا۔

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۱ (۲) فتح الباری: ۵۲۹/۲

لفظ ”فقہ“ کا ماخذ حدیث ہے

اوپر پیش کردہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فقہا وعلما کے کلام میں جو ”فقہ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ من گھڑت نہیں ہے؛ بل کہ حدیث سے ماخوذ ہے اور میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ واضح ماخذ لفظ فقہ کا یہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا ، وَ وَعَاهَا ، وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ ، وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ“(اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تروتازہ رکھے، جس نے میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور یاد رکھا، پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا؛ کیوں کہ بعض حامل فقہ (حدیث یاد رکھنے والے) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حامل فقہ اس شخص تک پہنچادیتے ہیں، جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں حامل فقہ اس شخص کو کہا گیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سنا اور یاد کیا ہوا ہو، تو فقہ کا لفظ حدیث یا قرآن وحدیث دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ کا لفظ قرآن وحدیث کے علم کے لیے خود زبان رسالت سے صادر ہوا ہے اور فقہا اسی کی اتباع میں قرآن وحدیث سے مستنبط احکام وعلوم کو فقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

محدث اور فقیہ کا فرق

اوپر پیش کردہ حدیث (**فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ**) سے محدث اور فقیہ کی ذمے داری اور ان کے منصب کا فرق بھی معلوم ہوگیا، وہ یہ کہ محدث کا کام یہ ہے کہ حدیث کے یاد کرنے یاد رکھنے اور دوسروں تک من وعن (کما سمع) پہنچانے کا

---

(۱) مشکوۃ: ۳۵، مسند شافعی: ۸۲، ترمذی: ۲/ ۹۴، ابوداود: ۲/ ۵۱۵، دارمی: ۱/ ۵۳

اہتمام وفکر کرے اور فقیہ کا کام اور اس کا منصب یہ ہے کہ وہ حدیث کے الفاظ کے معنی پر اس کے سیاق وسباق پر، اس کے مقصد ومنشا پر، اس کی علّت وحکمت پر غور وفکر کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ تفقہ کا کام ہر ایک کے بس کا نہیں، ہر کس وناکس اگر تفقہ کا حامل ہوتا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں کہ ”بعض حامل فقہ (حدیث) غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ غرض حدیث کا یاد رکھنا اور اس کی روایت کرنا محدث کا کام ہے اور حدیث کی توضیح وتشریح کرنا اور اس کے منشا کو معلوم کر کے اس کے احکام کا استنباط کرنا فقیہ ومجتہد کا کام ہے؛ لہٰذا جس طرح اُمت کو مجتہدین کی ضرورت ہے، اسی طرح اُمت حضرات فقہائے کرام کی بھی محتاج ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداود، وغیرہ محدثین کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے ذریعے ہم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ طریقے پر پہنچیں تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ہم کو ان احادیث کی تشریح وتفہیم اور ان کے منشا ومقصد کی تبیین وتحقیق اور ان سے نکلنے والے احکام کے استنباط و استخراج کے لیے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام ابن مبارک، امام محمد وامام ابو یوسف جیسے فقہا وعلما کی بھی ضرورت ہے۔

اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی، جو کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث جب ہمارے سامنے ہیں تو ہم کو کسی فقیہ ومجتہد کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا یہ سوال واعتراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث پر واقع ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کو دوسروں تک پہنچادو؛ کیوں کہ بعض حدیث کے حامل لوگ غیر فقیہ ہوتے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ ہر کوئی حدیث کو سمجھ نہیں سکتا، سب کے سب فقیہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کسی فقیہ کی ضرورت نہیں ہم خود سب سمجھ جائیں گے۔ فیا للعجب!

عدم تفقہ کے مضحکہ خیز نتائج

جو لوگ فقیہ نہیں ہوتے وہ جب قرآن وحدیث پڑھتے ہیں اور اپنی ناسمجھی سے ان کے مطالب ومعانی اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، تو ان سے جو غلطیاں ہوتی ہیں اور قرآن وحدیث کے منشا کے خلاف جو مفہوم ومعنے وہ نکالتے ہیں، ان کے مضحکہ خیز نتائج بھی سن لیجیے:

(۱) حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے۔

اس حدیث کو ایک نرے محدث نے طلبہ کے سامنے بیان کیا، تو ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے بسا اوقات ایسا کیا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہو گیا تو ہم نے اپنے پڑوسی کے باغ میں یا کھیت میں چھوڑ دیا۔ اب ہم اس فعل سے استغفار کرتے ہیں؛ حالاں کہ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ باندیوں سے جماع نہ کیا جائے؛ مگر اس کو عدم تفقہ کی وجہ سے نہ سنانے والا سمجھا نہ سننے والے سمجھے۔ (۱)

دیکھیے! ظاہر الفاظ سے کس طرح دھوکہ کھالیا، اگر فقہ اور تفقہ سے ان بے چاروں کو حصہ ملا ہوتا، تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنائیں (حلقے بنا کر مسجد میں بیٹھیں)

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ایک محدث نے حدیث کے لفظ "**نهى عن الحِلَق**" کو حلق یعنی سر منڈوانا سمجھ کر چالیس سال تک جمعہ سے پہلے سر منڈوانے سے پرہیز کیا؛ حالاں کہ یہ لفظ "حَلق" نہیں؛ بلکہ "حِلَق" ہے جس کے معنی ہیں 'حلقے'۔ (۲)

(۳) امام حاکم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محمد بن علی واعظ تھے۔ انہوں نے حدیث

---

(۱) تلبیس إبلیس للعلّامة ابن الجوزي: ۱۲۶ (۲) ایضاً: ۱۲۶

پڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"زَرَعْنا تَزْدَادُ حِناً"

(ہم نے کھیتی کی تو سب کی سب مہندی بن گئی)

لوگ حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس پر ان واعظ نے ایک لمبا قصہ سنایا کہ کسی جگہ کے لوگ اپنی پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) نہیں دیتے تھے اور نہ صدقہ نکالتے تھے۔ لہٰذا ان کی کھیتی حِنا یعنی مہندی کا درخت بن گئی اسی قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کیا ہے؛ مگر معلوم ہے کہ یہ کس حدیث کا حشر واعظ شیریں بیاں نے کیا ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ مشہور حدیث **"زُرْ غِبّاً تَزْدَدْ حُبّاً"** (ناغہ کرکے ملاقات کر محبت بڑھے گی) کا حشر ہے۔ (۱)

(۴) حاکم رحمۃ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ فقیہ ابومنصور بن محمد نے فرمایا کہ میں یمن میں تھا، وہاں ایک اعرابی ہم سے مذاکرہ کرنے لگا، اس نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے بکری کو کھڑا کر لیتے تھے، میں نے انکار کیا کہ ایسا نہیں ہے تو وہ ایک کتاب اٹھا لایا اور اس میں حدیث دکھائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے **"عَنْزۃ"** رکھ لیتے تھے اور کہنے لگا کہ دیکھو یہ حدیث ہے۔ فقیہ ابومنصور فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم نے خطا کی یہ **"عَنْزۃ"** (نون کے جزم کے ساتھ) نہیں ہے؛ بل کہ **"عَنَزۃ"** (نون کے زبر کے ساتھ ہے) جس کے معنی لکڑی و عصا کے ہیں۔ (۲)

(۵) اس سے بھی عجیب وہ لطیفہ ہے جس میں ہے کہ ایک محدث صاحب نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب بھی استنجا کرتے تو وتر پڑھتے، جب ان سے اس کی وجہ

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث: ۱۸۴، تدریب الراوی: ۲/ ۱۱۴ (۲) ایضاً

دریافت کی گئی، تو فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جو تم میں سے استنجا کرے " فَلْیُوتِرْ "(وتر پڑھے) حالاں کہ یہاں وتر کے معنی ہیں کہ استنجا میں طاق عدد (تین، پانچ، سات) ڈھیلے لیا کرے۔ دیکھیے! فقہ نہ ہونے کے سبب کس قدر مضحکہ خیز مطلب نکال لیا۔

(۶) علامہ داوٗد ظاہری جو بڑے عالم ہیں؛ مگر نصوص کے ظاہر پر جمود میں شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے فقہ و تفقہ کی رعایت نہ کر کے بڑے عجیب مسائل بیان کیے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔(۱)

داوٗد ظاہری فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے اور اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے؛ لیکن پاخانہ کرنا یا برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا جائز ہے اور اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان کا یہ مسلک ذکر کر کے فرمایا کہ یہ مسئلہ ان کے جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔(۲)

یہ چند مثالیں اس لیے پیش کی گئیں کہ ان سے یہ واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ فقہ و تفقہ کے بغیر قرآن ہو یا حدیث کسی کا بھی سمجھنا مضحکہ خیز غلطی کا ارتکاب کرا دیتا ہے۔

محدث بھی فقیہ کا محتاج ہے

اسی وجہ سے محدث بھی فہم نصوص میں فقیہ کا محتاج ہے، جس طرح فقیہ روایت وحفاظتِ حدیث کے لحاظ سے محدث کا محتاج ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام اعمش کے پاس تھے، امام اعمش سے کسی صاحب نے کوئی مسئلہ دریافت کیا؛ مگر آپ نے جواب نہیں دیا، پھر امام ابوحنیفہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ آپ اس بارے میں جواب دیجیے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کا جواب دیا۔ امام اعمش نے پوچھا کہ یہ

---

(۱) بخاری: ۲۳۲، مسلم: ۲۲۲ (۲) شرح مسلم: ۱/۱۳۸

جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی (پھر وہ حدیث بیان کی) یہ سن کر امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: "**نحن الصيادلة وأنتم الأطباء**" (ہم (محدثین) تو دوا فروش ہیں اور تم (فقہا) طبیب وڈاکٹر ہو۔)(۱)

یعنی جس طرح دوا فروش مختلف دوائیاں رکھے ہوئے ہوتا ہے؛ مگر کس دوا کا کیا اثر اور خاصیت ہے اور کس بیماری کے لیے مفید ہے؟ اس کا علم اس کو نہیں ہوتا اور ڈاکٹر کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح محدث حدیث کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے؛ مگر کس حدیث میں کس روحانی مرض کی کیا دوا ہے اور کس حدیث سے کیا مسئلہ مستنبط ہو رہا ہے اور کس موقعے اور محل کا کیا حکم ہے؟ یہ فقیہ جانتا ہے۔ یاد رہے امام اعمش رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔

اسی طرح کا واقعہ امام اعمش رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مابین بھی پیش آیا تھا، جب امام ابو یوسف نے مسئلہ کا جواب دیا، تو امام اعمش نے پوچھا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہی مجھ سے بیان فرمائی تھی پھر وہ حدیث بیان کی تو امام اعمش نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے، جب کہ تمھارے ماں باپ (رشتۂ ازدواج میں) جمع بھی نہ ہوئے تھے؛ مگر اس حدیث کا یہ معنی و مطلب آج تک مجھے معلوم نہ تھا۔ (۲)

دیکھ لیجیے کہ امام اعمش رحمہ اللہ استاذ حدیث ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ دونوں ان کے شاگرد ہیں؛ مگر فہم حدیث اور استنباطِ احکام میں وہ شاگردوں کے محتاج ہوئے اور خود انھوں نے اس کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا۔

---

(۱) جامع بیان العلم: ۲/۱۶۰ (۲) جامع بیان العلم: ۲/۱۵۹

فقہائے کرام کا مقام، ابن القیم رحمۃ اللہ کی زبانی

حضراتِ فقہاء کا جو منصب و مقام ہے، اس کو علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے بڑے بلند الفاظ میں پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی تبلیغ دو قسم کی ہے: ایک اس کے الفاظ کی تبلیغ ہے اور دوسرے اس کے معانی کی تبلیغ۔ محدثین حضرات الفاظ کی حفاظت و تبلیغ کرتے ہیں اور فقہائے کرام معانی کی حفاظت و تبلیغ کرتے ہیں علامہ فرماتے ہیں:

’’فقہائے کرام ہی کے اقوال پر لوگوں کے درمیان فتویٰ دائر ہوتا ہے، جن کو استنباطِ احکام کی صلاحیت سے خاص و ممتاز فرمایا گیا ہے اور جو حلال و حرام کے قواعد و اصول ضبط کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، پس یہ فقہا زمین پر ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے، ان ہی کے ذریعے تاریکی میں بھٹکے ہوئے لوگ راہ پاتے ہیں اور ان فقہا کی ضرورت لوگوں کو کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ ہے ان حضرات کی اطاعت قرآن کی رو سے ماں باپ کی اطاعت سے زیادہ فرض ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ محدث کا اپنا وظیفہ اور کام ہے اور فقیہ کا اپنا وظیفہ اور کام ہے اور دونوں کی اُمت کو ضرورت ہے۔

فقہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں

چناں چہ شروع دور ہی سے یہ طبقے اُمت کے اندر چلے آرہے ہیں، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں جیسے ایک طبقہ حفظ و نقلِ روایتِ حدیث میں مشغول تھا۔ ایک طبقہ احادیث میں غور و خوض ان سے استنباطِ احکام و اخذِ مسائل میں مشغول و مصروف تھا اور لوگ ان حضرات سے احکام و مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن القیم

---

(۱) اعلام الموقعین: ۹/۱

رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوے کے کام پر اسلام کا اولین طبقہ ایمان (والوں) کی جماعت، قرآن کا لشکر اور رحمٰن کی فوج کھڑی ہوئی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، ان میں بہت زیادہ فتوے دینے والے بھی تھے اور بہت کم دینے والے بھی اور متوسط بھی۔“(۱)

میں اس موقعے پر مناسب سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کے فقہ وفتاوی کے کام کی چند مثالیں پیش کروں، جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے دور ہی سے فقہ وفتاوی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

صفاومروہ کے درمیان سعی کا حکم

حج میں صفاومروہ کے درمیان سعی کا حکم جمہورِ صحابہ وائمہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ضروری ہے؛ بعض تو اس کو حج کا رکن قرار دیتے ہیں؛ مگر اس بارے میں قرآن کریم میں جو آیت نازل ہوئی ہے، اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفاومروہ کے درمیان سعی واجب وضروری نہیں؛ بل کہ صرف جائز ہے۔ چناں چہ فرمایا:

﴿فَلاجُناحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرۃ:۱۵۸)

(حج وعمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں اس بات سے کہ وہ صفاومروہ کا طواف کرے)

ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفاومروہ کے طواف پر کوئی گناہ نہیں؛ لیکن کوئی نہ کرے تو کیا ہے؟ بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ کرنے میں بھی حرج نہیں۔ چناں چہ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور خصوصی شاگرد تھے،

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱۱/۱

ان کو یہی دھوکہ ہوا اور انھوں نے حضرتِ عائشہ سے عرض کیا کہ اگر میں صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کروں تو کوئی حرج اور گناہ تو نہ ہونا چاہیے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ کیوں؟ حضرت عروہ کہنے لگے کہ آیتِ قرآن میں یہی تو ہے کہ ان کا طواف کرنے میں گناہ نہیں، ضروری تو نہیں قرار دیا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اے میری بہن کے لڑکے! اللہ کے رسول نے طواف کیا، مسلمانوں نے کیا؛ لہٰذا یہ سنت (اسلام کا طریقہ) ہے۔ اگر تم جو کہہ رہے ہو، وہ بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ صفا و مروہ کا طواف نہ کرنے میں گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ نے بتایا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے، جب اسلام آیا تو حج کے موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے اس کا ذکر کیا کہ صفا و مروہ کے طواف کو لوگ حلال نہیں سمجھتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

اس حدیث میں غور کیجیے کہ حضرت عروہ آیتِ کریمہ سے ایک بات اخذ کرتے ہیں، مگر حضرت عائشہ اس کا رد فرماتی ہیں اور حضور علیہ السلام اور صحابہ کے عمل اور آیت کے شانِ نزول کے پیشِ نظر اسی آیت سے اس کے خلاف مسئلہ اخذ و استنباط کرتی ہیں۔ اور علما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فقاہت کو سراہا ہے۔ چناں چہ حضرت امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرتِ عائشہ کی یہ بات میں نے امام ابوبکر بن عبد الرحمان کے سامنے پیش کی تو فرمایا ''إِنَّ ھٰذَا لَعِلْمٌ'' (یہ تو بڑا علم ہے) (۲)

نماز میں ہنسنا ناقضِ نماز ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں اگر کوئی ہنسے تو نماز کو دہرانا ہوگا؛ لیکن وضو کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (۳)

---

(۱) مسلم: ۱/ ۴۱۴، بخاری: ۱/ ۲۲۲، ابوداؤد: ۱/ ۲۶۱، نسائی: ۲/ ۴۰، ابن ماجہ: ۲۱۴

(۲) بخاری: ۱/ ۲۲۲، مسلم: ۱/ ۴۱۴ (۳) بخاری تعلیق: ۱/ ۲۹، دار قطنی: ۱/ ۱۷۳، فتح الباری: ۱/ ۲۸۰

نیز ان سے مروی ہے کہ فرمایا: ہنسنے سے وضو لازم نہیں ہے۔ (۱)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ اور حضرت ابو موسیٰ ؓ نے بھی فرمایا کہ جو نماز میں ہنسے تو نماز کو دہرائے۔ (۲)

یہ مسائل فقہ ہی تو ہیں جس کو صحابہ کرام ؓ نے بیان فرمایا ہے۔ البتہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور حضرت جابر ؓ سے جو اس صورت میں وضو لازم نہ ہونے کا حکم آیا ہے، تو یا تو اس سے مراد آہستہ ہنسنے کی صورت ہے یا یہ کہ یہ ان کا مسلک ہے، بعض کے نزدیک زور سے ہنسنے کی صورت میں وضو لازم ہے۔

کیا پانی نہ ملنے پر جنبی تیمّم کرے؟

جمہور صحابہ وائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو جنبی (جس کو نہانے کی ضرورت ہو) کو چاہیے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھے؛ مگر حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ جنبی تیمّم نہ کرے اگرچہ ایک ماہ تک وہ پانی نہ پائے۔ (۳)

اور یہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے بھی فرمائی کہ پانی نہ ملے تو جنبی نماز ہی نہ پڑھے۔ اگرچہ ایک ماہ گزر جائے۔ (۴)

اور عجیب بات ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اس مسلک پر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے ان سے گفتگو بھی کی اور حضرت عمار کی حدیث سے ان پر احتجاج کیا، اس کا جواب حضرت عبد اللہ نے دیا کہ اس حدیث کو حضرت عمر نے قبول نہیں کیا، حضرت ابو موسیٰ نے پھر آیت سے استدلال کیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اگر ہم تیمّم کی اجازت دے دیں گے تو جب سردی محسوس ہوگی تو لوگ تیمّم کر لیا کریں گے،

---

(۱) دار قطنی: ۱۷۲/۱ (۲) دار قطنی: ۱۷۴/۱ (۳) ابن ابی شیبہ: ۱۸۳/۱

(۴) بخاری: ۵۰/۱، ابن ابی شیبہ: ۱۸۳/۱

اس پوری گفتگو کو امام بخاری و ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا۔

یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسائل فقہ پر گفتگو ہوا کرتی تھی، دلائل پیش ہوتے تھے اور اپنے اپنے تفقہ کی بنا پر ان دلائل میں غور و خوض اور سوال و جواب کی نوبت بھی آیا کرتی تھی۔

میراث کا ایک مسئلہ

صحابہ کے درمیان میراث کے ایک مسئلے میں شدید اختلاف و مباحثہ ہوا ہے۔ وہ مسئلہ یہ کہ اگر کوئی شخص انتقال کر جائے اور اپنے پیچھے بھائی اور دادا چھوڑ جائے تو بھائیوں کو کتنا ملے گا اور دادا کا کیا حصہ ہوگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ دادا کو کل مال متروکہ میں سے ایک تہائی (۱/۳) دیا جائے گا اور بقیہ دو تہائی بھائیوں میں تقسیم کیا جائے گا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی آخری رائے بھی یہی تھی اور حضرت زید بن ثابت بھی اسی کے قائل تھے اور اس کے برعکس حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ دادا کو کل مال سے چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بقیہ بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔ (۱)

اسی مسئلہ میں جو فقہی بحث و مباحثہ اور اپنی اپنی رائے پر قیاس کا سلسلہ چلا، اس کا کچھ ذکر ابن القیمؒ نے کیا ہے، حضرت زید کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ تھا کہ دادا کی بہ نسبت، بھائی لوگ میراث کے زیادہ حق دار ہیں اور حضرت عمر کی رائے تھی کہ بھائیوں کے مقابلے میں دادا میراث کا زیادہ حق دار ہے، حضرت عمر نے مشورہ کیا تو حضرت زید نے کہا کہ اگر کسی درخت سے ایک شاخ نکلے اور پھر اس شاخ سے دو شاخیں پھوٹیں تو یہ شاخ دو شاخوں کی حامل ہے، نہ کہ اصل درخت اور یہ دو شاخیں آپس میں ایک

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۷/۳۵۱-۳۵۳

دوسرے سے قریب ہیں بہ نسبت اصل کے، اسی طرح بھائی ایک دوسرے کے قریب ہیں نہ کہ دادا۔ یہ حضرت زید کی تقریر کا خلاصہ ہے اور حضرت علی ؓ سے جب حضرت عمر ؓ نے مشورہ لیا تو انھوں نے فرمایا کہ دادا کو سدس (چھٹا) ہونا چاہیے۔ پھر دادی کے سیلاب سے تمثیل پیش فرمائی۔ (۱)

غور کیجیے کہ یہ سب کیا فقہ ہی تو نہیں؟ جس پر تبصرے وتذکرے حضرات صحابہ کے درمیان ہو رہے ہیں، یہ مثالیں محض نمونے کے لیے پیش کی گئیں ورنہ کتب حدیث اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ ایسی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی، صرف ابن ابی شیبہ کا مصنف دیکھ جایئے۔ ہر باب، ہر صفحے پر حضراتِ صحابہ کے فقہی فیصلے واقوال مل جائیں گے خود بخاری شریف میں بے شمار فقہی اقوال صحابہ کے مذکور ہیں، معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد حضراتِ صحابہ کے دور میں ہی پڑ چکی تھی اور متعدد صحابہ کے فقہی اقوال و فیصلے لوگوں میں معروف ومشہور و معمول بہ تھے۔

فروعی اختلافات اور ان کی نوعیت

تمہیدی گذارش

اس دور پرفتن میں سینکڑوں انواع واقسام کے فتنے مسلم معاشرے میں پرورش پارہے ہیں اور اس کو گھن کی طرح کھاتے جارہے ہیں اور ان سارے فتنوں کی جڑ و اساس اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو اُمت کی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کردینے والے وہ اختلافات اور آپسی نزاعات ہیں، جن کی بنیاد پر فرقہ بندیاں اور پارٹی بازیاں جنم لے رہی ہیں، حالاں کہ یہ اُمت، اُمت واحدہ تھی، جو ایک ٹھوس عقیدہ پر قائم کی گئی تھی اور اس کو اتحاد کی ایک ایسی مضبوط لڑی میں پرو دیا گیا تھا جس نے ان کے رنگوں

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۱۲

کے اختلاف کو، زبانوں کے اختلاف کو، مزاجوں کے اختلاف کو، اجتہادی رایوں اورنظریوں کے اختلاف کو اور حسب ونسب کے اختلاف کو، ایک حسین امتزاج کے ساتھ اس طرح قبول کرلیا تھا، جیسے موتیوں کی لڑی میں مختلف قسم کے موتی اپنے حسن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعوت نظارہ دیتے ہیں۔

اگر مختلف اقسام وانواع کے موتی، اپنی رنگت اور صفتوں کے اختلاف کے باوجود ایک لڑی میں جمع ہو سکتے ہیں اور اختلاف میں اتحاد کا کرشمہ دکھا سکتے ہیں اور حسن وکمال کے مناظر پیش کر سکتے ہیں، تو کیا اُمتِ مسلمہ بھی ایک مضبوط عقیدہ کی لڑی میں جمع ہو کر اپنے اختلافات کو اتحاد کے رنگ میں پیش نہیں کرسکتی؟ اور نظریاتی اختلافات کو رنگ برنگی موتیوں یا پھولوں کی طرح تعدد وتنوع کے حسین مالوں اور گلدستوں کے روپ میں نہیں پیش کرسکتی؟!

مگر افسوس کہ آج ہم معمولی اور جزئیاتی وفروعی اختلافات کو کفر واسلام کی جنگ سمجھ بیٹھے ہیں اور شقاق ونفاق کی ساری وہ صورتیں جو کفر کا خاصہ اور مزاج ہیں، ہم خود اپنے بھائیوں کے لیے روا اور جائز رکھے ہوئے ہیں۔ ان حالات کا اقتضا ہے کہ اختلاف کی نوعیت وحیثیت کو سمجھا جائے، اسی خیال سے ذیل کا مضمون پیش کیا جارہا ہے۔

اختلاف کی دو قسمیں

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ اختلاف جو اسلام کے بنیادی عقائد اور مسلمہ ومنصوص مسائل میں ہو اور ان میں اختلاف، شریعت وسنت کی شاہراہ سے ہٹا کر انسان کو بدعات وخرافات اور گمراہیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے قادیانی فرقہ کا اختلاف۔ ظاہر ہے کہ اس فرقے کا اختلاف

معمولی اور جزوی وفروعی اختلاف نہیں ہے، بل کہ اتنا سخت اختلاف ہے کہ اس اختلاف کی بنا پر اس کا رشتہ اسلام سے یکسر کٹ جاتا اور ختم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر النبیین ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا باب کلیۃً مسدود و بند کر دیا۔ لیکن قادیانی فرقہ اس مسئلے اور بنیادی عقیدے کے خلاف پنجاب کے کذاب ودجال ایک جھوٹے دعوے دارِ نبوت کو نبی مانتا ہے۔ لہٰذا یہ اختلاف معمولی اختلاف نہیں۔ اسی طرح شیعہ کا اختلاف بھی بنیادی عقائد اور مسلمہ مسائل میں اختلاف ہے، اسی طرح بعض لوگوں کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا اور اولیا کو عالم الغیب وحاضر وناظر اور مشکل کشا وغیرہ ماننا، اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے، اسی طرح اسلام میں نئی نئی باتوں کو پیدا کرنا اور دین کے نام پر رواج دینا اور ان بدعات وخرافات کے لیے آیات و احادیث میں بے جا تاویل؛ بل کہ تحریف سے کام لینا بھی اختلاف کی اسی قسم میں سے ہے، جو انسان کو سنت وشریعت کی شاہراہ سے ہٹا دیتا ہے، اس لیے اس قسم کا اختلاف شرعاً مذموم وممنوع ہے اور اس قسم کے اختلاف پر حدیث میں سخت وعید بھی آئی ہے۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہوتا ہے اور ایسا اختلاف صدرِ اول صحابہ کے زمانے سے برابر چلا آ رہا ہے؛ بل کہ اس قسم کا اختلاف خود دورِ رسالت میں بھی حضرات صحابہ کے درمیان ہوا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کی دونوں جہتوں کی تصویب فرمائی ہے (اس کی تفصیل آگے آئے گی) کیوں کہ خود دلائل میں دونوں جہتوں اور شقوں کی گنجائش ہوتی ہے، ایک بات منصوص اور فیصل نہیں ہوتی، ایسے اختلاف کو اجتہادی وفروعی اختلاف کہا جاتا ہے یہ اختلاف نہ مذموم ہے نہ ممنوع ہے بلکہ یہ فطری وطبعی ہونے کے ساتھ

باعث رحمت بھی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

فروعی اختلاف مذموم نہیں

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان دونوں قسم کے اختلاف کا حکم و درجہ یکساں نہیں ہے؛ بل کہ دونوں کے درجے میں ایسا ہی فرق ہے جیسے زمین و آسمان میں اور حق و باطل میں اور حرام و حلال میں ہے، مگر بعض لوگ اس فرق کو نظر انداز کر کے دونوں اختلافات کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور دونوں کو مذموم و حرام قرار دیتے ہیں اور ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو اختلاف کی قسم اول کے متعلق وارد ہوئی ہیں؛ مگر ظاہر ہے کہ ان آیات و احادیث سے صرف اس اختلاف کی مذمت و برائی ثابت ہوتی ہے، جو بغیر دلیل شرعی نفسانیت و شرارت سے کیا جائے اور بنیادی و مسلمہ عقائد و مسائل میں ہو؛ لیکن دوسری قسم کا اختلاف جو دلائل کی روشنی میں کیا جائے اور اجتہادی و فروعی مسائل میں ہو ان سے اس کا مذموم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر قرآن میں متعدد جگہ فرمایا کہ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ (آل عمران: ۱۰۳)

ایک جگہ فرمایا: ''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنھوں نے اختلاف کیا اور متفرق ہوگئے''۔ (آل عمران: ۱۰۵)

ان آیات میں جس اختلاف سے ممانعت کی گئی ہے، وہ وہ اختلاف ہے جو کفار کی طرح عقائد و مسلمات میں کیا جائے، جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا یا کم از کم سنت کی شاہراہ سے ہٹ کر بدعت کی گمراہی میں ملوث ہو جاتا ہے۔

چناں چہ مذکورہ بالا آیات میں سے ﴿آل عمران﴾ کی آیت ''۱۰۳'' کی تفسیر میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا جوناگڑھی کے ترجمۂ قرآن پر حواشی میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

”وَلَا تَفَرَّقُوْا“ (اور پھوٹ نہ ڈالو) کے ذریعے فرقہ بندی سے روک دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں (تقوے اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے) سے انحراف کروگے تو تمھارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤگے، چناں چہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہوکر سامنے آئے گی قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی توضیح وتعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے، یہ اختلاف تو صحابہ وتابعین کے عہد میں بھی تھا؛ لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔

مذکورہ تشریح سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے؛ بل کہ قرآن وحدیث کے فہم اور تشریح وتوضیح اور تفسیر وتعبیر میں صحابہ میں بھی اختلاف ہوا ہے اور ایسا اختلاف گروہ، بندی وفرقہ بندی کا سبب بھی نہیں، جس سے قرآن نے روکا ہے۔ ہاں جنھوں نے ان اختلافات فرعیہ کی بنیاد پر فرقہ بندیاں کی ہیں، وہ ضرور ماخوذ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل کا اختلاف ان آیات میں مراد نہیں ہے؛ بل کہ ان سے مراد پہلی قسم کا اختلاف ہے۔

اسی طرح حدیث میں جس اختلاف وافتراق سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد بھی یہی پہلی قسم کا اختلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور یہ سارے فرقے دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ ایک فرقہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا

کہ وہ جو اس طریقہ پر قائم ہو، جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ ‘‘(۱)

اس حدیث میں جو اُمت کے اختلاف وافتراق کا ذکر کر کے سارے فرقوں کو جہنمی اور صرف ایک فرقہ کو جنتی قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی یہ مسائل کا اختلاف مراد نہیں ہے؛ بل کہ عقائد واصول میں اختلاف مراد ہے۔ بعض لوگ اس حدیث کو پیش کر کے ان فرقوں سے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتب فکر مراد لیتے اور ان مکاتب فکر کے لوگوں کو نعوذ باللہ جہنمی قرار دیتے ہیں؛ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اس حدیث سے یہ اختلاف ہرگز مراد نہیں، چناں چہ اہل حدیث کے مشہور عالم علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ نے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

’’حدیث میں افتراق سے مراد مطلق افتراق نہیں ہے کہ اس میں وہ اختلاف بھی داخل ہو جائے، جو فروعی مسائل میں خلفائے راشدین پھر دیگر صحابہ پھر تابعین پھر ائمہ مجتہدین کے زمانے میں واقع ہوا، بل کہ مراد اس سے ایک خاص اختلاف و افتراق ہے اور وہ اختلاف وتفرق ہے جس سے پارٹیاں اور جماعتیں بن گئیں اور بعض نے بعض سے جدائی اختیار کی جو آپسی محبت والفت اور تعاون وتناصر پر قائم نہیں ہیں؛ بل کہ اس کی ضد یعنی ہجر، قطع تعلق، عداوت وبغض اور ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر وتفسیق پر قائم ہیں (پھر فرمایا کہ) کہا گیا ہے کہ اس اختلاف سے مراد اصول اور عقائد میں بدعتیں پیدا کرنا ہے۔ نہ کہ فروعات اور عملیات میں الخ۔ ‘‘(۲)

علامہ عبید اللہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں وہ اختلاف مراد نہیں ہے، جو فروعی واجتہادی مسائل میں صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی وامام مالک وامام ابوحنیفہ وامام احمد وامام اوزاعی وامام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہم

---

(۱) ترمذی: ۲/۹۲، مشکوۃ: ۳۰ (۲) مرعاۃ المفاتیح: ۱/۱۷۰۔۱۷۱

کے زمانوں میں واقع ہوا۔

الغرض آیات واحادیث میں جس اختلاف کی مذمت و برائی آئی ہے، اس سے پہلی قسم کا اختلاف مراد ہے یا اس سے مراد گروہ بندی و پارٹی بازی ہے۔ جس کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق وتضلیل کی جائے اور ان جزوی مسائل کی بنا پر حسد و بغض رکھا جائے۔ یہ بلاشبہ سخت قبیح چیز ہے رہا فروعی مسائل میں آرا کا اختلاف جو قرآن وحدیث کے فہم اور ان کی تعبیر وتشریح میں تفاوت کی بنا پر واقع ہوا، وہ نہ قرآن وحدیث میں مذموم ٹھہرایا گیا، نہ ممنوع قرار دیا گیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلافِ مسائل کی مثالیں

بل کہ ایسا اختلاف تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی پیش آیا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلافِ آرا کو مذموم نہیں ٹھہرایا؛ بل کہ دونوں جہتوں کی تحسین وتصویب فرمائی، یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ دو اشخاص نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی پھر ان کو پانی مل گیا، جب کہ ابھی اس نماز کا وقت باقی تھا، تو ایک صاحب نے پانی سے وضو کرکے وہ نماز دہرائی اور دوسرے صاحب نے نماز نہیں دہرائی پھر (جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے) تو آپ سے اس واقعے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے نماز نہ دہرانے والے صحابی سے فرمایا کہ تم نے سنت کے موافق کیا اور دوسرے صحابی سے فرمایا کہ تم کو پورا ثواب (دونوں نمازوں کا) ملا۔ (۱)

اس حدیث میں غور فرمائیے کہ نماز کے وقت پانی نہ ملا تو دو صحابہ نے حسبِ حکم شرع تیمم کرکے نماز پڑھ لی، نماز کے بعد وقت کے اندر اندر ان حضرات کو پانی

---

(۱) نسائی: ۷۵/۱

مل گیا تو ان میں اختلاف ہو گیا، ایک صحابی نے سمجھا کہ چوں کہ وقت کے اندر پانی مل گیا ہے؛ لہٰذا تیمّم سے ادا کی ہوئی نماز باطل ہوگئی، دوبارہ پڑھنا چاہیے، دوسرے صحابی نے سمجھا کہ جب نماز پڑھ چکے، تو اب پانی ملنے سے اس پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ لہٰذا انھوں نے نہیں دہرائی اس اختلاف رائے کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برا نہیں سمجھا؛ بل کہ دونوں کی تصویب کی؛ البتہ ایک کے اجتہاد کو موافق سنت قرار دیا اور دوسرے کو بُرا نہیں کہا؛ بل کہ فرمایا کہ دونوں نمازوں کا ثواب تم کو مل گیا۔

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن صحابہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے اور بعض صحابہ کو راستے میں ہی عصر کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے، جب تک کہ اس جگہ (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز (راستے میں ہی) پڑھیں گے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ نہیں تھا (کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی راستہ میں نماز نہ پڑھو، بل کہ آپ کا منشا یہ تھا کہ عصر کا وقت ہونے سے پہلے اس جگہ پہنچنے کے لیے جلدی کریں) پھر یہ اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا؛ مگر آپ نے کسی کو بھی برا نہیں فرمایا۔ (۱)

مسلم میں اس واقعے میں عصر کے بہ جائے ظہر کا ذکر ہے۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علما نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو (کسی بھی صورت میں) گناہ نہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی دونوں جماعتوں میں سے کسی پر بھی زجر و توبیخ نہیں فرمائی۔ اگر یہاں کوئی گناہ کی بات ہوتی تو گنہ گار پر عتاب فرماتے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: ۲/۵۹۱ (۲) مسلم: ۷/۳۳۱ (۳) فتح الباری: ۷/۴۱۰

معلوم ہوا کہ اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف کوئی مذموم چیز نہیں؛ بل کہ شرعاً اس کی پوری طرح گنجائش ہے۔

نیز بڑے بڑے صحابہ میں متعدد مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ ؓ کا مسلک یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بھی بیان فرماتے ہیں؛ مگر جمہور صحابہ وتابعین اس کے قائل نہیں تھے۔ امام ترمذی حضرت ابوہریرہ سے اس سلسلے کی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں:

> بعض اہل علم آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو (واجب ہونے) کے قائل ہیں؛ مگر اکثر اہل علم صحابہ وتابعین میں سے اس کے ترک پر ہیں یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو کے قائل نہیں۔ (۱)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت براء بن عازب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت جابر بن سمرۃ وضو ٹوٹ جانے کے قائل تھے، جب کہ دوسرے صحابہ جیسے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت سُوید بن غفلۃ ؓ اس کے خلاف نہ ٹوٹنے کے قائل تھے۔ (۲)

حضرت عمر ؓ بغلوں کے بال کی صفائی کے بعد وضو کو ضروری قرار دیتے تھے اور ابن عباس ؓ اس کے قائل نہ تھے اور عبداللہ بن عمر ؓ بغل کے بالوں کی صفائی کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ (۳)

گویا صحابہ میں اس مسئلے میں تین مسلک تھے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن کے پیش کرنے سے مقصود صرف نمونہ دکھانا ہے۔

---

(۱) ترمذی: ۱/۲۴ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۶۳-۶۴ (۳) ابن شیبہ: ۱/۰۷

استقصا و احاطہ پیشِ نظر نہیں ہے۔ کتبِ حدیث کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ صحابہ میں سینکڑوں مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا اختلاف جو فروعی مسائل میں ہوتا ہے، قابلِ ملامت و مذمت نہیں؛ بل کہ مستحسن ہے؛ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ بھی اس کو روا نہ رکھتے۔

اختلاف کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟

حضراتِ صحابہ و تابعین یا بعد کے ائمہ میں جو مختلف فروعی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا؛ اس کی وجہ و بنیاد نعوذ باللہ یہ نہیں کہ ان میں ایک قرآن و حدیث کو مانتا تھا اور دوسرا قرآن و حدیث کو نہیں مانتا تھا اور محض نفسانیت و شرارت اور اپنی عقل و فہم کی بنا پر مسائل بیان کرتا تھا، ایسا سمجھنا انتہائی غلط اور صحابہ و ائمہ دین سے سوئے ظنی و بدگمانی کی بدترین قسم ہے؛ بل کہ اس اختلاف کی وجہ و بنیاد ایک دوسری ہی بات ہے اور وہ یہ کہ بعض آیات اور احادیث میں مراد و مطلب صریح و واضح نہیں ہوتا؛ بل کہ اس میں متعدد احتمالات کی گنجائش ہوتی ہے اور ایک شخص اس کے ایک معنے لے لیتا ہے اور دوسرا دوسرے معنی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیات و احادیث میں بہ ظاہر تعارض و ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے اور یہ واضح و مسلم ہے کہ اللہ و رسول کے کلام میں تعارض نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا علما و ائمہ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کبھی تطبیق سے اور کبھی ترجیح سے کام لیتے ہیں۔ اب علما میں اختلافِ رائے ہو جاتا ہے، کوئی تطبیق کی راہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ترجیح پر چلتا ہے۔ پھر تطبیق کی بھی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، کوئی کسی صورت کو اختیار کرتا ہے، کوئی دوسری صورت کو لیتا ہے؛ نیز کبھی اختلاف اس لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ احادیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں محدثین میں اختلاف ہوتا ہے؛ کیوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا بھی ایک اجتہادی کام ہے۔ لہٰذا ایک

محدث ایک حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے؛ مگر دوسرے محدث کے پاس وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے پھر اسی پر علما و ائمہ میں مسائل میں اختلاف ہو جاتا ہے، ایک فقیہ اس حدیث کو صحیح قرار دے کر لے لیتا ہے اور عمل کرتا ہے اور دوسرا فقیہ اس پر عمل نہیں کرتا اور اس کو ضعیف قرار دیتا ہے: کیوں کہ اس کے نزدیک وہ ضعیف ہوتی ہے، اس طرح ائمہ بل کہ صحابہ میں اختلاف رونما ہوا اور اس کو شرعاً گوارا کیا گیا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

اختلافِ ائمہ کی پہلی وجہ

اب میں اوپر کے اجمال کی مختصر سی تفصیل و تشریح بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں؛ تاکہ بات واضح ہو جائے اور لوگوں کے دلوں سے خلش و پریشانی دور ہو جائے: کیوں کہ آج ایک طبقہ اُمت میں ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو ائمہ کے ان اختلافات کو اس طرح پیش کرتا ہے، گویا کہ ان ائمہ نے قرآن و حدیث کو یک لخت چھوڑ دیا اور محض نفسانیت و شرارت سے من مانی باتیں بیان کر دیں اور ان ائمہ کے ماننے والے بھی نہ قرآن کو مانتے ہیں، نہ حدیث کو مانتے ہیں؛ بل کہ قرآن و حدیث کے خلاف ان ائمہ کی بات کو مان کر گویا کفر و شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فکر اور سوچنے کا انداز غیر محققانہ، نہایت درجہ سطحی اور حق سے یکسر بعید ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اختلاف کیوں کر پیدا ہوا، کیا اس کا منشا نفسانیت اور قرآن و حدیث کی مخالفت تھی یا کچھ اور؟

اوپر میں نے پہلی وجہِ اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بعض آیات و احادیث کے معانی و مرادات واضح و صریح نہیں ہوتے: بل کہ مختلف احتمالات کی ان میں گنجائش ہوتی ہے: اس لیے ائمہ و صحابہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو میرے

لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ یعنی تو مجھ پر حرام ہے، اس کے کہنے سے بیوی پر طلاق تو نہیں پڑتی؛ مگر یہ ایک درجہ میں قسم کی طرح ہے، قرآن کریم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسے شخص پر ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ (المجادلۃ: ۳) اتنی بات تو قرآن کریم میں صاف ہے؛ لہٰذا اس میں کسی کا اختلاف نہیں؛ لیکن قرآن کریم میں یہ بات نہیں بتائی گئی کہ یہ غلام جس کو آزاد کیا جاتا ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کسی کافر غلام کو بھی آزاد کردینے سے یہ کفارہ ادا ہو جاتا ہے؟ لہٰذا اس میں علما نے اختلاف کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ غلام مسلمان ہونا چاہیے؛ کیوں کہ قرآن نے قتل خطا کے کفارے میں غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے مؤمن ہونے کی بھی قید لگائی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی وہی حکم ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کفارۂ ظہار میں مومن غلام کی قید نہیں ہے؛ لہٰذا کافر ہو یا مؤمن کسی بھی غلام کا آزاد کردینا کافی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اختلاف قرآن کی ایک آیت میں مراد کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا اور ہر امام نے اپنا نظریہ اس گنجائش سے اخذ کیا، جو آیت کے الفاظ میں رکھی ہوئی ہے۔ یہاں نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو آیت کا مخالف کہا جائے گا، نہ امام شافعی رحمۃ اللہ کو؛ بل کہ دونوں حضرات نے قرآن کریم ہی کو اپنا رہبر و قائد بنا کر اجتہادی عمل سے مرادِ خداوندی کو اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب ایک مثال حدیث پاک سے بھی سن لیجیے "مسلم شریف" میں حدیث آئی ہے کہ احرام والا، نکاح نہ کرے۔(۱)

اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز نہیں، چناں چہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے؛ مگر اس حدیث میں جو لفظ نکاح آیا ہے لغت

---

(۱) مسلم: ۱/۴۵۳

کے اعتبار سے اس کا معنے جماع ہے۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حالتِ احرام میں جماع سے منع کیا گیا ہے، عقدِ نکاح سے نہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح فرمایا۔ (۱)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، آپ خود وہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟ لامحالہ پہلی حدیث میں نکاح سے مراد جماع ہے جو کہ اس کا لغوی معنی ہے۔

اب غور کیجیے کہ اس اختلاف میں بھی نہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے حدیث کو چھوڑا، نہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے حدیث کو ترک کیا، بل کہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے اس کا ایک ایک محمل و معنی لے لیا اور اس کی پوری گنجائش لفظ حدیث میں پائی جاتی ہے۔

اختلاف ائمہ کی دوسری وجہ

اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی آیت و حدیث میں یا متعدد آیات میں یا متعدد احادیث میں بہ ظاہر اختلاف و تعارض نظر آتا ہے۔ اور یہ واضح و مسلم ہے کہ اللہ و رسول کے کلام میں فی الواقع کوئی تعارض نہیں ہو سکتا؛ اس لیے ائمہ و علما دفعِ تعارض کی مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں، جس سے علما کی آرا میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ أَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو سنو اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے) (الاعراف: ۲۰۴)

---

(۱) اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے: بخاری: ۲۴۸/۱، مسلم: ۴۵۴/۱، ترمذی: ۱۷۲/۱، ابوداؤد: ۲۵۵/۱، نسائی: ۲۶/۲، ابن ماجہ: ۱۴۱

اس آیت کے بارے میں اکثر علما فرماتے ہیں کہ یہ نماز و خطبے کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب نماز میں یا خطبہ میں قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سننا چاہیے، صحابہ میں سے ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ (۱)

اور علامہ ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۲)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو سب کو خاموش رہ کر سننا چاہیے؛ مگر ایک حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے:

"لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ"

(جس نے ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی) (۳)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ پڑھنا ضروری ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی، خود نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو، اگر حدیث کے اس ظاہری مفہوم پر عمل کریں گے تو قرآن کے خلاف کرنا لازم آئے گا اس لیے کہ قرآن کی آیت نماز میں قرآن پڑھے جانے کے وقت میں خاموش رہ کر سننے کی تاکید کرتی ہے اگر مقتدی ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ پڑھے گا، تو اس آیت کی خلاف ورزی ہوگی۔

اب علما و ائمہ کرام نے اس تعارض کو دور کرنے کے لیے مختلف صورتیں اختیار فرمائی ہیں، بعض ائمہ نے فرمایا کہ آیت میں قرآن سے مراد ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ سے زائد کچھ پڑھنا ہے۔ لہٰذا مقتدی ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ تو پڑھ سکتا ہے۔ بل کہ حدیث کی وجہ سے ضرور پڑھنا چاہیے؛ مگر ﴿سورۃ الفاتحۃ﴾ سے زائد کوئی اور آیت و سورۃ نہیں پڑھ سکتا۔ یہی امام شافعی کا مسلک ہے اور بعض ائمہ نے فرمایا کہ مذکورہ

---

(۱) ابن کثیر: ۲/۲۸۰-۲۸۱ (۲) فتاوی ابن تیمیہ: ۲۲/۲۹۵ (۳) بخاری: ۱/۱۰۴، مسلم: ۱/۱۶۹، ترمذی: ۱/۵۷، ابوداود: ۱/۱۱۸، نسائی: ۱/۱۴۵، ابن ماجہ: ۶۰

حدیث میں نماز سے مراد امام و منفرد کی نماز ہے، مقتدی کی نماز نہیں، کیوں کہ قرآن نے مطلقاً اس بات کا حکم کر دیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو اور سنو۔ لہٰذا ﴿سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ﴾ پڑھا جائے یا اور کوئی سورۃ پڑھی جائے، بہ ہر صورت مقتدی کو پڑھنا نہ چاہیے اور حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے؛ کیوں کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو پس امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔(۱)

نیز ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بغیر ﴿سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ﴾ نماز نہیں ہوتی؛ مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو تو ہو جاتی ہے۔(۲)

اب غور کیجیے کہ آیت و حدیث کے ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لیے بعض ائمہ نے قرآن کی آیت سے ﴿سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ﴾ کا استثنا کیا اور آیت میں تاویل کی اور بعض ائمہ نے اس کے برخلاف حدیث کو امام و منفرد کے ساتھ خاص کر کے آیت کو اپنے ظاہر پر رکھا، نہ پہلے طبقے نے قرآن و حدیث کے خلاف کیا نہ دوسرے طبقہ نے؛ بل کہ دونوں مکاتب فکر کے ائمہ نے قرآن و حدیث ہی پر عمل کی راہ نکالی، لہٰذا جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ بھی اپنے اجتہاد کی رو سے حق پر ہیں اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بخاری و مسلم کی حدیث دکھا دکھا کر حنفیہ کی نماز کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوئی اور یہ کہ یہ لوگ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے، یہ انتہائی غلط و باطل بات کہتے ہیں، کیوں کہ حنفی بھی اس حدیث کو مانتے ہیں، ہاں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام و منفرد کی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، جیسے دوسرے لوگ قرآن کی آیت میں تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت میں قرآن سے مراد ﴿سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ﴾

---

(۱) ابن ماجہ: ۶۱، موطا محمد: ۹۷، طحاوی: ۱/۱۲۸، دار قطنی: ۱/۳۲۳، ابن ابی شیبہ: ۱/۴۱۴ وغیرہ

(۲) ترمذی: حدیث حسن صحیح: ۱/۷۱

کے بعد کچھ اور پڑھنا ہے تو کیا کوئی ان لوگوں کو قرآن کا مخالف کہہ سکتا ہے؟ جب آیت میں تاویل کرنا، قرآن کی خلاف ورزی نہیں تو آیت پر عمل کے لیے حدیث میں حدیث ہی کی روشنی میں تاویل کرنا، حدیث کی خلاف ورزی کیوں کر ہو گئی؟

اختلاف ائمہ کی تیسری وجہ

ائمہ میں اختلاف اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ ایک امام نے ایک حدیث کو صحیح و معتبر سمجھا اور دوسرے امام نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا اور دوسری حدیث سے دوسری بات اخذ کی، کیوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا بھی ایک اجتہادی عمل ہے جس میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے اور ہوا ہے، بہت سی حدیثیں امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہیں؛ مگر امام مسلم ان کو معتبر قرار دیتے ہیں، مثال کے طور پر نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ سینے پر یا ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے، اس سلسلے میں جو روایات آئی ہیں ان میں کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو بے غبار ہو۔ مثلاً سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، آپ نے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ سینے پر رکھا۔ (۱)

مگر یہ روایت ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کا ایک راوی مؤمّل بن اسماعیل کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے؛ لہٰذا احناف اس پر عمل نہیں کرتے اور اس کے مقابلے میں حضرت علی کی ایک حدیث ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ثابت ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے۔ (۲)

اس روایت کے ایک راوی عبد الرحمان بن اسحاق واسطی کو بھی اکثر محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں؛ مگر امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو حسن قرار دیا اور امام

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۱/۲۴۳ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۳۹۱، دار قطنی ۱/۲۸۶

حاکم نے ان کی ایک حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱)

لہٰذا احناف اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

یہاں وہی بات ہے کہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ روایات کے صحیح وضعیف ہونے میں اختلاف ہے، لہٰذا جس کو جو اقرب الی الصحۃ نظر آئے، اس پر عمل کرے نہ الزام نہ اعتراض، اس کے برخلاف جو لوگ اپنی ہی بات کو صحیح اور دوسروں کو غلط ٹھہراتے ہیں، وہ یقیناً جادۂ اعتدال سے دور ہیں۔

اوپر پیش کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ فروعی وجزوی مسائل میں علما وائمہ کا اختلاف ایک فطری اختلاف ہے، جس کی بنیاد نہ نفسانیت ہے نہ جہالت، بل کہ اس کی مختلف دیگر ایسی بنیادیں اور وجوہات ہیں جو ایسے اختلاف کے لیے شرعی جواز فراہم کرتی ہیں، جیسا کہ اوپر حوالے نقل کیے جا چکے ہیں، ہاں! یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اختلاف کی جو تین وجوہات بیان کی گئیں، یہ بہ طور تمثیل بیان کی گئی ہیں؛ ورنہ اختلاف کی اور بھی وجوہات ہیں؛ مگر یہاں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے؛ بل کہ صرف یہ بتانے کے لیے کہ اختلاف کیوں پیدا ہوا؟ یہ چند امور بیان کیے گئے ہیں۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی بھی امام ومجتہد قرآن وحدیث کا مخالف نہیں ہوا؛ بل کہ سب ائمہ وعلما نے قرآن وحدیث کے منشا ہی کی تلاش وجستجو کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصدِ زندگی بنا کر اجتہادی قوت ونور بصیرت کا استعمال فرمایا ہے۔

تین وضاحتیں

ان تفصیلات سے تین باتیں واضح ہو گئیں: ایک تو یہ کہ اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف آج کی کوئی نئی ایجاد نہیں ہے؛ بل کہ یہ اختلاف زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا

---

(۱) القول المسدد: ۳۵

ہے اور حضرات صحابہ وتابعین کے مقدس دور میں بھی ہوا اور رہا ہے اور وہی اختلاف پھر بعد کے دوروں اور زمانوں میں منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔ دوسری یہ کہ اس اختلاف کی بنیاد نفسانیت وقرآن وحدیث کی مخالفت نہیں؛ بل کہ قرآن وحدیث ہی کے منشا ومراد کو پانے کی خاطر بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے بالکل فطری وطبعی طور پر واقع ہوا ہے، تمام ائمہ وعلما کی یہ اجتہادی خدمات، اخلاص ونیک نیتی اور اہل دین سے خیر خواہی وہمدردی کی بنیاد پر واقع ہوئی ہیں، جس پر ان سب کو ہر صورت میں اجر یقینی ہے اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس قسم کے اختلاف کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے اور اس پر کوئی ملامت ومذمت نہیں کی گئی ہے اور جس اختلاف وافتراق کی مذمت وبرائی قرآن وحدیث میں آئی ہے، اس سے مراد اعتقادیات اور دین کے بنیادی مسائل میں اختلاف ہے یا وہ اختلاف جو نصوص کے خلاف نفسانیت وشرارت سے کیا جائے۔

اختلاف میں اتفاق کا مظاہرہ

ان ساری گذارشات کا منشا یہ ہے کہ ان فروعی اختلافات کو بالکل اہمیت نہ دینا چاہیے اور اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی یا ایک دوسرے پر ملامت ومذمت کا رویہ اختیار نہ کرنا چاہیے؛ بل کہ تمام ائمہ وعلما کا احترام اور عظمت کرنا چاہیے اور ان سے محبت والفت کا طریق اپنانا چاہیے، چناں چہ سلفِ صالحین کے یہاں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔

حضرت امام قدوری حنفی رحمۃ اللہ، فقہ حنفی کے مایۂ ناز عالم وفقیہ تھے، جن کی مختصر القدوری نامی کتاب، فقہ حنفیہ کا مستند متن مانی جاتی ہے، انھی کے زمانے میں امام ابو حامد اسفرائنی رحمۃ اللہ، فقہ شافعی کے مشہور شارح تھے اور دونوں حضرات کے

مابین بہت سارے مسائل میں اختلاف ومناظرہ رہتا تھا، مگر اس کے باوجود ابن خلکان نے لکھا ہے کہ امام قدوری، امام اسفرائنی کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ (۱)

اسی طرح فقیہ عماد الدین شافعی رحمۃ اللہ اور قاضی ابو طالب حنفی رحمۃ اللہ کے درمیان بہت سے اختلافات تھے۔ جب عماد الدین شافعی کا انتقال ہوا تو قاضی ابو طالب حنفی نے ان کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر بڑے حسرت آمیز لہجہ میں یہ شعر پڑھا:

عقم النِّساء فلا تلدن شبيهه   إن النِّساء بمثله عقم

(عورتیں بانجھ ہوگئیں، پس ان (عماد الدین) جیسا وہ نہ جن سکیں گی؛ کیوں کہ عورتیں ان جیسے کے جننے سے بانجھ ہیں)

غور کیجیے کہ ایک طرف ان سے مسائل میں اختلاف بھی ہے اور دوسری طرف ان کی عظمتِ شان کا برملا اعتراف بھی ہے اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جس کسی سے کسی سلسلے میں چھوٹا یا بڑا اختلاف ہوا تو اس کی کسی خوبی وکمال کا اعتراف تو کیا کرتے؟! بل کہ اور اس کی ہجو اور مذمت کے درپے ہوجاتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونوں جلیل القدر فقیہ ومجتہد ہونے کے باوجود بے شمار مسائل میں اختلاف رکھتے تھے، امام ذہبی نے اشہب بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو امام مالک رحمۃ اللہ کے سامنے اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا جیسے بچہ باپ کے سامنے بیٹھتا ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے حسن ادب اور ان کی تواضع پر دلالت کرتا ہے، حالاں کہ وہ امام مالک رحمۃ اللہ سے تیرہ برس عمر میں بڑے تھے۔ (۲)

اگر چہ اہل سیر وتاریخ کو اس واقعے کی صحت میں اشکال ہے؛ کیوں کہ اس کے راوی

---

(۱) ابن خلکان: ۱/۲۰ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۰۹

اشہب، امام ابو حنیفہ کی وفات کے وقت پانچ برس کے تھے تو ان کی یہ روایت مخدوش معلوم ہوتی ہے، تاہم اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے ائمہ سلف کا ادب اور آپسی تعلقات کی خوش گواری کا علم ہوتا ہے، ایک طرف امام ابو حنیفہ کا امام مالک کے ساتھ یہ ادب و تعظیم کا برتاؤ تھا اور دوسری طرف امام مالک، امام ابو حنیفہ کی مدح و تعریف اور ان کی عقل و فہم اور دور بینی و دور اندیشی کی توثیق و تصدیق فرماتے تھے۔ چناں چہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں میں نے ایسے شخص کو دیکھا کہ اگر وہ اس ستون کے بارے میں تجھ سے گفتگو کرے کہ وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرے گا تو ضرور اس پر دلیل قائم کر دے گا۔ (۱)

پھر ان بزرگوں سے بھی اوپر حضرات صحابہ کو دیکھیے، وہاں بھی اختلاف کے باوجود، محبت و عظمت کا یہی نقشہ نظر آئے گا۔

حضرت علی ؓ و حضرت معاویہ ؓ

مثالیں تو ہزاروں دی جا سکتی ہیں، مگر انصاف پسند کے لیے ایک بھی کافی ہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں اور ایک مسئلے میں نظریاتی اختلاف نے ان دونوں کو جنگ و حرب پر بھی آمادہ کر دیا، چناں چہ جنگ بھی ہوئی اور بہت سے مسلمان اس جنگ میں کام آئے، مگر اتنے شدید اختلاف کے باوجود، حضرت علی کے بارے میں حضرت امیر معاویہ نے قسم کھا کر فرمایا :

علی ؓ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور میرا اختلاف ان سے صرف حضرت عثمان ؓ کے قصاص کے مسئلے میں ہے، اگر وہ خون عثمان کا قصاص (بدلہ) لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔ (۲)

---

(۱) مقدمة اعلاء السنن: ۱/۲۰۰ (۲) البدایہ: ۲/۲۵۹

نیز روایت ہے کہ جب ان حضرات کے درمیان جنگ کا میدان گرم تھا، روم کے عیسائی بادشاہ کی طرف سے حضرت معاویہ ؓ کے نام خط آیا جس میں عیسائی بادشاہ نے لکھا تھا کہ معلوم ہوا کہ تم کو حضرت علی ؓ کی طرف سے پریشانی ہے، میں تمہاری مدد کے لیے فوج بھیج دوں؟

حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس کے جواب میں لکھا:

”اے نصرانی کتے! میرے اور علی کے درمیان جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یاد رکھ! اگر تو نے حضرت علی کی طرف ترچھی نگاہ بھی اٹھائی تو سب سے پہلے علی کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا۔“ (۱)

آمدم بر سر مطلب

غور کیجیے! کیا ہم لوگ بھی اختلاف کے باوجود عظمت و محبت کا یہی نقشہ پیش کرتے ہیں؟ افسوس کہ آج ہم اپنے ان جزوی اختلافات میں الجھ کر اپنی بڑی بڑی اور اہم ذمے داریوں سے غافل ہو چکے ہیں اور یہ تک نہیں سوچتے کہ اس سے غیر اقوام فائدہ اٹھائیں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ اختلاف نہ نیا ہے نہ برا؛ البتہ ہمارا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، ایک دوسرے کی توہین کرنا اور دوسروں کو الزام و بہتان لگا کر بدنام کرنا، ضرور بالضرور برا ہے اور اسی سے ہم کو منع کیا گیا۔ جیسے بعض لوگ حنفی لوگوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور ان کی نماز کو باطل کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ کی توہین کرتے ہیں اور فقہ حنفی کے خلاف کتابیں و رسائل چھاپ چھاپ کر تقسیم کرتے ہیں اور اپنی رائے سے حدیث کا مفہوم گھڑ کر ائمہ کو حدیث کا مخالف کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں جہالت کی ہیں، علم و عقل سے دور کا بھی ان کو واسطہ نہیں۔

---

(۱) حدود اختلاف: ۱۰، بہ حوالہ تاج العروس: ۱/ ۳۰۸

غیر مقلدین کے دعوے ’’عمل بالحدیث‘‘ پر ایک نظر

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں؛ بل کہ ان میں سے بہت سارے تو بہ طور خاص بخاری و مسلم ہی پر عمل کے مدعی ہیں اور دوسرے لوگوں سے بھی ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بخاری شریف یا مسلم شریف سے حدیث پیش کرو۔ نیز یہ لوگ حنفی لوگوں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں پر عمل نہیں کرتے، یہ لوگ رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ بعض مسئلوں میں عوام کو بخاری و مسلم کی حدیث دکھا کر کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیثیں ہیں، حنفی ان پر عمل نہ کرکے اپنی نمازوں کو برباد کر رہے ہیں، اس جگہ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اور دیگر کتب حدیث کی کتنی صحیح حدیثیں ہیں، جن کو یہ غیر مقلد ٹھکراتے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

(۱) امام مسلم رحمۃ اللہ نے حدیث روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو ’’ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا ‘‘ (۱)

امام مسلم نے ’’مسلم شریف‘‘ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (۲)

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ نسائی، ابن ماجہ، احمد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳)

یہ روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت ابو ہریرہ دونوں سے روایت کی گئی ہے۔

اس صحیح حدیث پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ پڑھنا ضروری و فرض ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی حالاں کہ کسی بھی صحیح حدیث میں مقتدی کے لیے سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ پڑھنے کو ضروری نہیں بتایا گیا ہے اور جس حدیث کا یہ حوالہ دیتے ہیں یعنی یہ کہ حضور

---

(۱) مسلم: ۱۷۴/۱ (۲) محلی: ۲۷۰/۲ (۳) نسائی: ۱۴۶/۱، ابن ماجہ: ۶۱/۱، احمد: ۵۵/۱۶ و ۵۲/۱۷

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے سورۃ الفاتحۃ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی“ یہ حدیث تو مقتدی کے بارے میں نہیں ہے؛ کیوں کہ مقتدی کے بارے میں اوپر کی حدیث نے بتایا کہ اس کو خاموش رہنا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہوگا؛ بل کہ ان سے ہوگا جن کے ذمے قرأت ہے اور وہ امام ہے یا تنہا نماز پڑھنے والا۔

اس صاف وصریح صحیح حدیث کا انکار کرتے ہوئے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مقتدی پر سورۃ الفاتحۃ پڑھنا ہر حال میں فرض ہے، حالاں کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی تصریح کے مطابق امام کے زور سے قرأت کرتے وقت امام کے پیچھے قرأت کرنے سے صحابہ، تابعین وغیرہ سے متواتر اً منع کرنا وارد و ثابت ہے۔ (۱)

غیر مقلدین، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے سلسلے میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور تین طلاق کے مسئلے میں خاص طور پر ان کے بیانات سے استفادہ کرتے ہیں، ان کا یہ بیان ان پر حجت ہونا چاہیے۔

(۲) حضرت علقمہ نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چناں چہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) کے سوا کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کیا۔ (۲)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غیر مقلدین کے امام علامہ ابن حزم ظاہری نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۳)

اور غیر مقلد عالم علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا کہ حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، ہمیں ان کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے استدلال صحیح ہو اور اس کی وجہ

---

(۱) فتاویٰ: ۲۳/ ۳۰۷ (۲) ترمذی: ۱/ ۵۹، احمد: ۵/ ۲۵۱ (۳) محلی: ۳/ ۴

سے حدیث رد کردی جائے۔ (۱)

نیز علامہ احمد محمد شا کر نے (اس حدیث کی سند کو مسند احمد کی تعلیق میں صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)

اس صحیح حدیث اور اس کے ساتھ اور بھی متعدد اس معنے کی احادیث صحیحہ کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا چاہیے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے جب پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں میں نماز پڑھتے تھے؟ تو فرمایا کہ ہاں! (۳)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے کیا غیر مقلدین اس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا ان کے امام وعلما اس پر عمل کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو بخاری ومسلم کی حدیث پر عمل نہ کرکے، غیر مقلدین اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے کے مستحق کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

(۴) بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں چار رکعت نماز پڑھتے جس کی کیفیت وطول کو نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے جس کے حسن وطول کو نہ پوچھو، پھر تین رکعت پڑھتے۔ (۴)

غیر مقلدین اس حدیث کو تراویح کی نماز کے آٹھ رکعات ہونے کی دلیل میں بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور جو صحابہ کے زمانے سے آج تک مسلسل و متواتر بیس رکعت پڑھی جا رہی ہیں اس کو بدعت کہتے ہیں، مگر خود اس حدیث کی

---

(۱) مشکوۃ، بہ تحقیق ناصر الدین البانی: ۱/۲۵۲ (۲) مسند: ۵/۲۵۱

(۳) بخاری: ۱/۵۶، مسلم: ۱/۲۰۸ (۴) بخاری: ۱/۱۵۴، مسلم: ۲/۲۵۴

مخالفت بھی کرتے ہیں، اس طرح کہ اس حدیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار چار رکعت پڑھتے تھے، مگر کسی بھی غیر مقلدین کی مسجد میں تراویح چار چار رکعت نہیں، بل کہ دو دو رکعت پڑھتے ہیں؛ لیکن کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں؟ پھر اس حدیث میں نہ جماعت سے پڑھنے کا ذکر ہے اور نہ مسجد میں پڑھنے کا؛ بل کہ حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل تنہائی میں اور گھر میں ہوتا تھا؛ مگر غیر مقلدین تراویح کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ جب کہ خود حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرض کے سوا دوسری نمازیں گھر میں پڑھو کہ یہی افضل ہے۔ (۱)

یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی کہ رمضان میں چند دن صحابہ کرام کو تراویح پڑھائی پھر ایک دن صحابہ تو جمع ہو گئے؛ مگر آپ تشریف نہیں لائے اس کے بعد تشریف لا کر یہ فرمایا کہ گھروں میں نماز پڑھو کہ یہی افضل ہے کہ فرض کے سوا دیگر نمازیں گھر میں پڑھی جائیں۔ مگر خاص تراویح کے سلسلے کا یہ حکم نہ مان کر غیر مقلدین حدیث کی مخالفت مسلسل کرتے ہیں اور دوسروں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۵) امام بخاری نے باب باندھا "**بَابُ مَنْ أَجَازَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ**" باب اس کا جس نے تینوں طلاقوں کو جائز قرار دیا۔ پھر متعدد احادیث بیان فرمائیں جن سے ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: حضرت رفاعہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتہ دی اور ایک روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں اس کے بعد میں نے عبدالرحمان بن زبیر

---

(۱) بخاری: ۱/۱۰۱، مسلم: ۱/۲۶۶

سے نکاح کرلیا مگر وہ ناکارہ ہے آپ نے فرمایا کہ شاید دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے ہرگز نہیں، جب تک کہ وہ تیری مٹھاس اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔ (۱)

اس حدیث میں رفاعہ رضی اللہ عنہ کے تین طلاق دینے کا ذکر ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کے لیے استدلال فرما رہے ہیں جو تین طلاقوں کو نافذ مانتے ہیں، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے اکھٹی تین طلاقیں مراد لی ہیں، مگر غیر مقلدین اس کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکھٹی دینے سے ایک ہی واقع ہوتی ہے، ایک طرف بخاری کو ماننے کا دعویٰ اور دوسری طرف اس کے خلاف عمل، حالاں کہ بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے خلاف نہ کوئی باب باندھا ہے اور نہ کوئی حدیث پیش کی ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد سکھایا: اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔ (۲)

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے "**باب المصافحة**" میں تعلیقاً اور "**بابُ الأخذ باليدين**" میں پوری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت حماد اور حضرت ابن المبارک نے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا؛ مگر اس متفق علیہ حدیث کے خلاف غیر مقلدین ہمیشہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے اور دو ہاتھوں سے مصافحہ کو برا جانتے ہیں۔ کیا یہی عمل بالحدیث ہے؟

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دیکھا نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھتے دیکھا، سوائے مزدلفہ میں دو نمازوں مغرب وعشا کے اور اس دن فجر کی نماز آپ نے (وقت معتاد)

---

(۱) بخاری: ۲/۷۹۱ (۲) بخاری: ۲/۹۲۶، مسلم: ۱/۱۷۴

سے پہلے پڑھی۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار نیند میں کوئی تفریط نہیں (کوئی گناہ نہیں) تفریط (گناہ) تو اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو وقت پر پڑھنا چاہیے، بلاعذر نماز کو موخر کرنا اور بے وقت پڑھنا گناہ کی بات ہے۔ مگر غیر مقلدین کے یہاں نمازوں کو مقدم و مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب کہ یہ بات صریح احادیث کے خلاف ہے۔

(۸) مسلم و دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ الفاتحۃ اور اس کے ساتھ کچھ زائد (سورہ یا آیات) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں سورۃ الفاتحۃ اور اس کے ساتھ کچھ اور (سورت یا آیات) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، غیر مقلدین اس حدیث کے ایک حصے کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بغیر سورۃ الفاتحۃ کسی کی نماز نہیں ہوتی، نہ امام کی، نہ مقتدی کی، نہ منفرد کی، مگر اس حدیث کے دوسرے حصے میں جو کہا گیا کہ سورۃ الفاتحۃ کے ساتھ کچھ اور بھی سورت و آیت پڑھنا ضروری ہے۔ اس کو نہیں مانتے اور مقتدی کو سورۃ الفاتحۃ کے سوا کچھ اور پڑھنے سے منع کرتے ہیں، پھر بھی اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ فیاللعجب!

(۹) بخاری و مسلم و دیگر محدثین نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بیت الخلا آؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلے کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔ (۴)

---

(۱) مسلم: ۱/۲۱۷ (۲) مسلم: ۱/۲۳۹ (۳) مسلم: ۱/۱۶۹، نسائی: ۱/۱۴۶ (۴) بخاری: ۱/۵۷، مسلم: ۱/۱۳۰

مگر غیر مقلدین اس حدیث کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ بنے ہوئے بیت الخلا میں قبلے کی طرف رُخ کر کے یا پیٹھ کر کے پیشاب پاخانہ کر سکتے ہیں۔

(۱۰) حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ اس کو مضبوط پکڑو اور دانتوں سے تھام لو۔ (۱)

امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پوری اُمت اس حدیث پر عمل کرتی ہے اور حضراتِ خلفائے راشدین کی سنتوں کو قابل عمل قرار دیتی ہے۔ مگر غیر مقلدین، صحابہ وخلفائے راشدین کی سنت کو نعوذ باللہ بدعت کہتے اور اس کو ٹھکراتے ہیں، چناں چہ بیس رکعت تراویح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدعت اور جمعہ کے دن کی پہلی اذان کو بدعت عثمان رضی اللہ عنہ کہہ کر ان کا رد کرتے ہیں۔ جب کہ اس حدیث صحیح سے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم زبانِ رسالت سے صادر ہوا ہے۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ (یہ کامل دس (مثالیں) ہیں) ایسی صحیح احادیث بہت سی ہیں، جن کو غیر مقلدین ٹھکراتے ہیں۔ یہاں صرف بہ طور نمونہ دس مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

* * *

---

(۱) ترمذی: ۹۲/۲، ابن ماجہ: ۵، ابوداود: ۲۷۹/۲، مسند احمد: ۱۲۷/۴، دارمی: ۲۶/۱

فقہ پر غیر مقلدین کے اعتراضات کا جائزہ

کیا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟

غیر مقلدین کی طرف سے عوام الناس میں جو وسوسے ڈالے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ مسلمانوں کو صرف قرآن وحدیث کا مکلّف و پابند بنایا گیا ہے؛ لہٰذا فقہ اور فقہی کتابوں کی نہ ضرورت ہے اور نہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا جائز ہے، کیوں کہ فقہ، قرآن وحدیث سے ہٹ کر اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کی یہ بات "كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ" (کلمۂ حق جس سے باطل مراد لیا گیا ہے) کا مصداق ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے منکرینِ حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں) کہا کرتے ہیں کہ قرآن کریم ایک جامع اور مکمل کتاب ہے، اس کے معانی ومضامین واضح ہیں، لہٰذا حدیث وسنت کی کوئی ضرورت نہیں اور قرآن کو چھوڑ کر حدیث پر عمل جائز نہیں، کیوں کہ قرآن وحدیث میں بہت جگہ تضاد وٹکراؤ ہے، ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کی یہ منطق جس طرح باطل ہے، اسی طرح غیر مقلدین کی منطق بھی غیر معقول ہے۔

کیوں کہ فقہ در حقیقت، قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح، تفہیم وتسہیل کا نام ہے، جس کو علوم قرآن وحدیث کے ماہرین اور مستند شارحین نے انتہائی دیانت داری وامانت داری اور پورے حزم واحتیاط کے ساتھ مرتب ومدون فرمایا ہے۔

مثلاً نماز جو کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت ہے، قرآن وحدیث میں اس کا مکمل طریقہ پوری جزوی تفصیلات کے ساتھ ایک جگہ اکٹھا موجود

نہیں ہے، کچھ باتوں کا ذکر قرآن میں ہے اور کچھ ارکان وآداب کا ذکر کسی حدیث میں ہے اور کچھ کا ذکر کسی اور حدیث میں ہے، اسی طرح اس کی جزوی تفصیلات اور متعلقہ مسائل واحکامات ترتیب اور تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، ان ماہرین شریعتِ علما وفقہا نے قرآن وحدیث سے کشید کر کے ان سب کو اکٹھا کر دیا؛ تا کہ عوام الناس اور معمولی سمجھ بوجھ والا بھی ان شرعی احکامات پر بہ آسانی عمل کر سکے، اسی طرح جو مسائل قرآن وحدیث میں صراحتاً بیان نہیں فرمائے گئے۔ ان کو قرآن وحدیث کے اشارے سے یا دلالت سے اخذ کر کے ان کو بھی بیان فرمایا، مثال کے طور پر قرآن پاک میں والدین کے حقوق و آداب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو اُف نہ کہو (الاسراء: ۲۳) اور حدیث میں والدین کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔

مگر والدین کو مارنے پیٹنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، مگر قرآن وحدیث کی دلالت سے اس کا بھی حرام ہونا معلوم ہوتا ہے کہ جب والدین کو گالی دینا منع اور اُف کہنا منع ہے، تو مارنا تو بہ درجۂ اولیٰ منع وناجائز ہوگا، ظاہر ہے کہ اس طرح قرآن وحدیث کی دلالت یا ان کے اشارے سے مسئلہ نکالنا، قرآن وحدیث کے خلاف نہیں، بل کہ عین قرآن وحدیث کی منشاومراد کے مطابق ہے۔

اسی طرح بعض وہ مسائل جس کا ذکر قرآن وحدیث میں بالکل نہیں ہے، نہ صراحتاً نہ دلالۃً، نہ اشارۃً۔ ایسے مسائل کو قرآن وحدیث کے اندر آئے ہوئے مسائل پر پیش کر کے، ان کا حکم معلوم کیا جاتا اور ان کو بھی فقہ میں مرتب کیا جاتا ہے، مثلاً غلام کتنی شادیاں کر سکتا ہے؟ اس مسئلے کا ذکر نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کی ایک آیت پر قیاس کر کے فرمایا کہ غلام صرف دو نکاح کر سکتا ہے، کیوں کہ قرآن میں باندیوں کی سزا (زنا کی سزا) آزاد عورتوں کی سزا کے لحاظ سے نصف بتائی گئی ہے (النساء: ۲۵) تو اس پر

نکاح کے مسئلے کو قیاس کیا گیا اور آزاد مردوں کے لحاظ سے نصف شادیاں کرنے کی بات طے کی گئی۔ (۱)

اس کو قیاس کہا جاتا ہے اور صحابہ کے دور سے؛ بل کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے قیاس سے برابر کام لیا جاتا رہا ہے، تو فقہا نے ان قیاسی مسائل کو بھی فقہ میں مدون کیا ہے۔

یہ ہے فقہ کی حقیقت جس کو غیر مقلدین اپنی ناواقفیت کی بنا پر یا محض تعصب وعناد کی وجہ سے قرآن وحدیث کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ فقہ کی پوری حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمارا مضمون ”فقہ کی حقیقت وضرورت“ جو اس رسالے میں شامل ہے۔ اس کا مطالعہ فرمائیے۔

اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ جب قرآن وحدیث موجود ہیں، تو فقہ کی کیا ضرورت؟ محض مغالطہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن وحدیث موجود ہیں، تو یہ غیر مقلدین تفسیریں اور حدیث کی شروحات اور دیگر عنوانات پر چھوٹی بڑی کتابیں کیوں لکھتے اور پھیلاتے ہیں؟ خصوصاً نماز کے عنوان پر ”صلوۃ الرسول“ اور ”صلوۃ النبی“ نام کی کتابیں اور فتاویٰ علمائے اہل حدیث اور فتاویٰ ثنائیہ اور فتاویٰ نذیریہ جو غیر مقلد علما کے فتاویٰ ہیں، آخر قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے، ان کی کیا ضرورت تھی اور ہے؟ افسوس صد افسوس کہ جو طبقہ اپنے علما کی کتابوں پر، ان کے فتاویٰ پر، ان کی فہم پر اعتماد کرتا ہے اور ان کی کتابوں کو پھیلاتا ہے، وہ عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتا پھرتا ہے کہ قرآن وحدیث کافی ہے، فقہ کی کیا ضرورت؟ جب کہ ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ قرآن وحدیث کے ثمرے اور پھل اور ان کی تشریح ہی کا نام فقہ ہے۔ اگر قرآن و حدیث اور دیگر دلائل شرعیہ (اجماع وقیاس) سے مستنبط و ماخوذ مسائل واحکامات کی

---

(۱) اعلام الموقعین، ابن قیمؒ: ۱/ ۲۰۹

ضرورت نہیں ہے، تو پھر غیر مقلد علما کی کتابوں اور ان کے فتاویٰ کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں قرآن وحدیث کو کافی سمجھ کر ان پر یہ لوگ اکتفا نہیں کرتے؟

چند دنوں قبل ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک اہل حدیث عالم (انھوں نے نام بھی لیا تھا) کا بیان کیسٹ میں سنا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے قرآن کو آسان بنایا ہے ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور قرآن وحدیث ہمارے لیے کافی ہے، تو پھر کسی اور چیز کی یا کسی عالم کی کیا ضرورت ہے؟

میرے پاس اس وقت بعض علما بھی تشریف فرما تھے اور مدرسے کے طلبہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ عربی زبان سے واقف ہیں؟ کہا کہ نہیں! میں نے کہا کہ جب قرآن سب کے لیے یکساں طور پر آسان کر دیا گیا ہے، تو آپ قرآن پاک اٹھائیے اور کسی کے ترجمے کی مدد کے بغیر اس کو پڑھیے، کیا آپ اس طرح قرآن سمجھ سکتے ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں سمجھ سکتا، میں نے کہا کہ جب قرآن نے یہ نہیں کہا کہ ”ہم نے صرف عربی جاننے والوں کے لیے اس کو آسان کیا ہے، تو یہ ہر زبان والے کو سمجھ میں آنا چاہیے، اب اگر آپ کسی ترجمے کی مدد لیتے ہیں تو وہ ترجمہ کسی نہ کسی عالم کا کیا ہوا ہوگا، تو آپ قرآن جیسی آسان چیز کو سمجھنے میں ایک عالم کے محتاج ہوئے، جب کہ اہل حدیث مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ ہم کو کسی چیز یا کسی عالم کی ضرورت نہیں۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ جب کسی چیز کی ضرورت نہیں تو یہ غیر مقلد علما قرآن کا ترجمہ کیوں کرتے ہیں؟ ان کی تفسیر کیوں لکھتے ہیں؟ لوگوں میں بیانات کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کو صرف قرآن وحدیث کے معریٰ نسخے کیوں نہیں دیتے؟ معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ اور۔

غرض یہ کہ فقہ کی ضرورت واہمیت ایک مسلمہ امر ہے، اگر عناد وتعصب نہ ہو تو

کوئی ذی عقل و ہوش اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

فقہی کتب میں فحش مضامین ہونے کا جواب

غیر مقلدین نے فقہ پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ فقہ کی کتب میں فحش مضامین ہیں۔ مثلاً کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مرد کا پیشاب کا مقام عورت کے پیشاب کے مقام سے مل جائے اور درمیان میں آڑ نہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا؟

مگر ان کا یہ اعتراض، بل کہ وسوسہ محض لغو اور متعصب ذہنیت کی پیداوار ہے، کیوں کہ اولاً تو اس قسم کے مسائل خود احادیثِ مبارکہ میں بھی آئے ہیں، جن کو یہ لوگ مانتے ہیں، اگر احادیث سے ماخوذ فقہ میں اس طرح کے مسائل ہوں تو پھر اعتراض کی کیا وجہ؟ سوائے تعصب کے اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، غور کیجیے کہ کیا احادیث میں کچھ شرم و حیا کے مسائل بہ ضرورت بیان کیے جانے کی وجہ سے وہ قابل اعتراض و لائق رد قرار پائیں گی؟ یا اعتراض کرنے والے ہی قابل اعتراض قرار پائیں گے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ فقہ پر جس طرح غیر مقلدین کا یہ اعتراض ہے کہ اس میں فحش باتیں و مسائل ہیں۔ بعینہ یہی اعتراض منکرینِ حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں) نے درج ذیل احادیث پر کیا ہے۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے کوئی حائضہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ازار پہننے کا حکم دیتے اور ازار کے اوپر سے مباشرت فرماتے۔ (۱)

(۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) بخاری: ۳۹۱، مسلم: ۴۴۰، نسائی: ۳۷۰، ابوداود: ۲۳۹، ابن ماجہ: ۶۲۷، احمد: ۲/ ۲۳۸۷

ساتھ لیٹی، اچانک مجھے حیض آ گیا، میں اٹھ کر چلی گئی اور میں نے حیض کے وقت کے کپڑے لیے آپ نے فرمایا کہ کیا حیض آ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ نے مجھے بلایا اور میں آپ کے ساتھ لیٹ گئی۔ (۱)

(۳) حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ کے رضاعی بھائی، حضرت عائشہ ﷺ کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا، انھوں نے برتن منگوایا، جو صاع کے برابر تھا اور غسل فرمایا اور سر پر پانی بہایا، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور حضرت عائشہ کے درمیان ایک پردہ تھا۔ (۲)

(۴) حضرت عائشہ ﷺ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام اپنی ازواج کا روزے کی حالت میں بوسہ لیتے تھے، پھر حضرت عائشہ ہنس پڑیں، بعض روایات میں ہے کہ روزے کی حالت میں مباشرت (بوس وکنار) فرماتے تھے۔ (۳)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ ﷺ سے مروی ہے کہ روزے کی حالت میں آپ ان سے مباشرت (بوس وکنار) فرماتے اور آپ کے اور ان کے درمیان یعنی شرمگاہ پر ایک کپڑا ہوتا تھا۔ (۴)

(۵) حضرت انس ﷺ نے فرمایا کہ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری بیویوں سے ملتے تھے اور اس وقت آپ کی نو بیبیاں تھیں۔ (ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے ایک رات میں اپنی عورتوں سے ملاقات کی ایک غسل کے ساتھ۔ (۵)

---

(۱) بخاری:۲۸۹، مسلم:۴۴۴، نسائی:۴۸۱، ابن ماجہ:۶۲۹، دارمی:۱۰۲۶، احمد:۲۵۳۰۰

(۲) بخاری:۲۴۳، مسلم:۴۸۱، نسائی:۲۲۷، احمد:۲۳۲۹۳ (۳) بخاری:۱۷۹۳، مسلم:۱۸۵۱، ترمذی:۶۶۱، ابوداود:۲۰۳۴، ابن ماجہ:۱۶۷۴ (۴) احمد:۲۳۱۷۸

(۵) بخاری:۲۷۵، مسلم:۴۶۷، ترمذی:۱۳۰، ابوداود:۱۸۸، ابن ماجہ:۵۸۱، احمد:۱۲۴۹۹

ان احادیث پر منکرین حدیث کا بعینہٖ وہی اعتراض ہے جو غیر مقلدین و منکرین فقہ کا فقہ پر ہے کہ ان میں فحش باتیں ہیں، بوس و کنار و جماع وغیرہ کی جو حدیث میں نہ ہونا چاہیے۔ کیا ان جاہلوں کے اس اعتراض سے حدیث مخدوش ہوگئی؟ اسی طرح فقہ پر یہ اعتراض، کیا اس کو مخدوش کردے گا؟ کیا غیر مقلدین کے نزدیک منکرین حدیث کا اعتراض صحیح ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر فقہ پر اعتراض بھی اسی طرح غلط ہے۔

فقہ میں اختلاف کا جواب

غیر مقلدین کے وسوسوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فقہی کتابوں میں مذکور ائمہ کے اختلافات کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ فقہ میں اختلاف ہے اور خود حنفی فقہ میں بھی اختلافات ہیں، اگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا ایک قول ہے تو ان کے شاگردوں کا دوسرا قول ہے۔ پھر فقہ میں چار مسلک ہیں، حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی تو اس اختلاف کے ہوتے ہوئے کس طرح عمل ہوگا؟ اور کس پر عمل ہوگا؟

اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ چاروں مسلکوں میں سے کسی پر بھی عمل کرلیا جائے، وہی اس کے لیے کافی ہے، چاروں مسالک اپنی اپنی جگہ حق پر ہیں، جس طرح قرآن مجید کی سات قرأتوں میں سے کسی ایک قرأت پر تلاوت کر لینے سے تلاوت کا پورا پورا ثواب مل جاتا ہے اور ساتوں قرأتیں حق ہیں اور غیر مقلدین بھی انہی قرأتوں پر تلاوت کرتے ہیں، کیا سات مختلف قرأتوں کی وجہ سے کوئی عقلمند تلاوت کو چھوڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح چار مسلکوں کے اختلاف کو سات قاریوں کے اختلاف کی طرح سمجھنا چاہیے، رہا یہ کہ خود حنفی مسلک میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ

اس اختلاف کے موقعے پر اصحاب ترجیح فقہا، صحیح و مفتی بہ و معتبر قول کی نشاندہی بھی کر دیتے ہیں، پھر پریشانی کیا ہے؟ یہ تو تحقیقی جواب ہے، اس کے علاوہ ہم ان غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ روایات کا اختلاف تو احادیث میں بھی پایا جاتا ہے، خود بخاری میں مختلف احادیث ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی ہزاروں احادیث میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) امام بخاری نے متعدد صحابہ سے روایت کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اپنی عورت سے جماع کرے، مگر منی نہ نکلے تو صرف وضو کافی ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ و حضرت کعب اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہم سب نے یہی فرمایا۔ (۱)

مگر خود امام بخاری اور دیگر محدثین نے اس کے خلاف یہ حدیث نقل کی ہے کہ اگر عورت سے جماع کیا اور شرمگاہیں مل گئیں، تو غسل واجب ہوگا۔ (۲)

(۲) ایک حدیث میں ہے: ”تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ“ (آگ میں پکی ہوئی چیز کے استعمال پر وضو کرنا چاہیے) (۳)

مگر اس کے خلاف دوسری احادیث انھی محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت یا سالن (جو کہ آگ سے پکا ہوا ہی ہوتا ہے) کھایا پھر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ (۴)

(۳) ضبع (بجو جانور) کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) مسلم و احمد نے حضرت عثمانؓ سے نقل کیا ہے، بخاری:۲۸۳، مسلم:۵۲۴، احمد:۴۲۰

(۲) بخاری:۲۸۲، مسلم:۵۲۵، نسائی:۱۹۱، ابوداود:۸۲، ابن ماجہ:۶۰۲، احمد:۶۹۰۰، دارمی:۷۵۴ (۳) مسلم:۵۲۹، نسائی:۱۷۴، ترمذی:۷۴، ابوداود:۱۲۲، ابن ماجہ:۴۷۸، احمد:۷۳۸۷ (۴) مسلم:۵۳۱_۵۳۸، بخاری:۲۰۳، احمد:۲۵۵۸۵، ابوداود:۱۵۹

نے اس کے کھانے کو فرمایا ہے یعنی اجازت دی ہے۔ (۱)

مگر اس کے خلاف یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی (بجو) بھی کھاتا ہے۔ (یعنی یہ کھایا نہیں جاتا) (۲)

(۴) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر پڑھتے اور عورتیں (مسجد سے) واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہ جاسکتیں تھیں (یعنی اندھیرے ہی میں نماز فجر ادا فرماتے)۔ (۳)

مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کو اسفار یعنی اجالے میں پڑھو کہ یہ بڑا اجر کا سبب ہے۔ (۴)

امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اوپر کی حدیث بھی صحیح ہے۔ یہ احادیث جو کہ آپس میں مختلف و متعارض ہیں، ان کی بنا پر کیا ذخیرۂ حدیث کو غیر معتبر قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! بل کہ ان میں روایتی و درایتی اصول کے پیش نظر کہیں تنسیخ، کہیں تطبیق، کہیں ترجیح کا اصول کام میں لایا جائے گا، اسی طرح فقہ کی مختلف روایات کا مسئلہ ہے، تو غیر مقلدین کو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

فقہ میں چار ہی امام کیوں؟

غیر مقلدین کا ایک وسوسہ یہ ہے کہ فقہ میں چار ہی امام کیوں؟ اور یہ کہ کس آیت یا حدیث میں ہے کہ ائمہ چار ہیں اور ان کے نام کہاں مذکور ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال جہالت پر مبنی ہے اور محض دھوکے کے لیے عوام میں چلایا جاتا ہے، اس

---

(۱) ترمذی: ۱۷۱۳، نسائی: ۴۷۸۷، ابوداود: ۳۳۰۷، ابن ماجہ: ۳۲۲۷، احمد: ۱۳۶۴۹

(۲) ترمذی: ۱۷۱۴، ابن ماجہ: ۳۲۳۸ (۳) بخاری: ۳۵۹، مسلم: ۱۰۲۰، نسائی: ۵۴۲، ابن ماجہ: ۶۶۱، احمد: ۲۲۹۷۸، مالک: ۳، دارمی: ۱۱۹۰، ترمذی: ۱۴۱

(۴) ترمذی: ۱۴۲، نسائی: ۵۴۶، ابوداود: ۳۶۰، ابن ماجہ: ۶۶۴، احمد: ۱۶۶۲۰، دارمی: ۱۱۹۱

وسوسے کا جواب درج ذیل نکات میں غور کرنے سے ملے گا۔

(۱) دنیا میں بے شمار علما و ائمہ گزرے ہیں؛ لیکن جو مقبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چار ائمہ فقہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) کو حاصل ہوئی دوسروں کو حاصل نہ ہوئی، جس طرح محدثین تو بہت سے گزرے ہیں؛ مگر ان میں جو مرتبہ اصحاب صحاح ستہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ) کو ملا، وہ دوسرے محدثین کے حصے میں نہیں آیا اور پھر ان میں بھی جو مقبولیت امام بخاری و امام مسلم کو ملی، دیگر حضرات وہ نہ پا سکے، اگر کوئی جاہل یہ سوال کرے کہ حدیث کے فن میں ان چھ محدثین کو کیوں مانا جاتا ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں ان کا ذکر ہے اور کیا ان کے نام مذکور ہیں؟ تو اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جہالت پر مبنی سوال ہے۔

(۲) قرآن پاک کے سات قاری مشہور ہوئے اور ساری دنیا میں ان ہی کی قرأت کے مطابق تلاوت کی جاتی ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ سات ہی قاری کیوں؟ اور یہ کہ ان کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں؟ تو اس کا غیر مقلدین کیا جواب دیں گے؟

(۳) بات دراصل یہ ہے کہ ان چار فقہا نے قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح ان کے مضامین کی ترتیب وتسہیل، ان کی توجیہ وتحقیق کا جو بے نظیر کارنامہ انجام دیا، وہ دوسرے حضرات کے حصے میں نہیں آیا، نیز ان حضرات کی فقہ تمام ابواب کو جامع ہے اور اسی دور میں اللہ نے ان کے اصحاب وتلامذہ کو ان کی فقہ کی ترتیب وتدوین کی توفیق دی، جس سے قرآن وحدیث کے تمام مضامین، ان کے اصول وکلیات، پھر ان سے مستنبط جزئیات وفروعات سب کے سب مدون ومرتب ہو گئے اور ان حضرات کی امانت ودیانت، ان کی دین میں فقاہت وبصیرت ان کا اخلاص وللّٰہیت

اور ان کا تقوی وطہارت، ایک ایسی معروف چیز تھی کہ اس کی بنا پر لوگوں نے ان کی فقہ کو پورے اطمینان کے ساتھ قبول کر لیا اور صدیوں سے ان پر اعتماد کرتے ہوئے، ان کی فقہ پر عمل کیا جا رہا ہے۔ جس طرح حضرات محدثین کی خدمات پر اعتماد کرتے ہوئے اور ان کی دیانت وامانت داری پر بھروسہ کرتے ہوئے، ان کی مرتب کردہ کتبِ حدیث پر امت عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ حالاں کہ ان ائمہ محدثین کا نام وکام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، اگر قرآن وحدیث میں ان فقہا کا ذکر ہونا ضروری ہے تو پھر امام بخاری وامام مسلم ودیگر محدثین کو اور ان کی احادیث کو ماننے کے لیے بھی قرآن وحدیث میں ان کا ذکر ہونا چاہیے، کیا کوئی غیر مقلدین ان کا نام قرآن و حدیث میں دکھا سکتا ہے؟

فقہِ ابو بکر وفقہِ عمر کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

وساوس غیر مقلدین میں سے یہ بھی ایک ہے کہ جب امام ابو حنیفہ وامام شافعی وغیرہ ائمہ کے مقابلے میں حضرات صحابہ کا علم، فہم وبصیرت بڑھی ہوئی ہے، تو ان کی فقہ وفتاویٰ کو قابل تقلید کیوں نہیں سمجھتے، ابو حنیفہ وشافعی کی فقہ کو کیوں مانتے ہیں اور اپنے آپ کو ابو بکری وعمری کیوں نہیں کہلاتے؟ حنفی وشافعی کیوں کہلاتے ہیں؟

اس وسوسے کا جواب اوپر کے جواب سے سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ صحابہ کرام اگرچہ علم وعمل، تقویٰ ودیانت، فہم وبصیرت میں ان ائمہ کرام سے بہت بڑے ہوئے ہیں اور ان ائمہ کرام نے قرآن وحدیث کے ساتھ صحابہ کرام کی فقہ وفتاوی کو بھی حرز جان بنایا ہے اور ان فتاوی کی روشنی میں ہی اپنی فقہ کو مرتب فرمایا ہے؛ تاہم کسی ایک صحابی سے بھی تمام ابواب وجزئیات کے متعلق تفصیلی مسائل وفتاوی مرتب ومدون نہ ہوئے، کسی سے سو مسائل ثابت ہیں تو دوسرے صحابی سے پچاس مسائل ثابت ہیں، اس طرح ایک سے تمام ابواب کے بارے میں تفصیلی مسائل ثابت نہ ہونے کی وجہ

سے فقہِ ابوبکر وفقہِ عمر کی طرف لوگوں کا انتساب نہ ہوا اور ان ائمہ کرام سے چوں کہ ہر ہر باب میں تفصیلی مسائل مرتب ومدون ہو گئے، ان کی طرف انتساب کیا جانے لگا، باقی حضرات صحابہ کے فتاوی وفقہ پر عمل تو ان ائمہ کی فقہ کے ضمن میں ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ فقہ کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان میں ایک صحابہ کے اقوال وفیصلے بھی ہیں، چنانچہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے امام احمد رحمۃ اللہ کے مسلک ومذہب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''امام احمد بن حنبل کے فتاوی کی دوسری اصل وبنیاد، وہ مسائل ہیں جن پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فتوی دیا ہے۔(۱)

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا:

میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ ملا تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیتا ہوں اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو اقوال صحابہ سے دلیل لیتا ہوں۔(اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو) ان میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور ان حضرات کے اقوال سے کسی اور قول کی طرف نہیں جاتا۔(۲)

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ودیگر ائمہ نے فقہ میں جہاں قرآن وحدیث سے اخذ فرمایا ہے، وہیں حضرات صحابہ کے اقوال وفتاوی کو بھی لیا ہے، مگر چوں کہ فقہ کے تمام ابواب پر سیر حاصل بحث اور ایک فن کی حیثیت سے کلام صحابہ سے مروی نہ تھا، تو نسبت ان کی طرف نہیں کی گئی؛ بل کہ ان ائمہ کرام کی طرف کی گئی جن سے تدوین فقہ کا کام منصہ مشہود پر ظاہر ہوا، بالکل اسی طرح جیسے قرآن پاک کی سات قرائتیں، صحابہ

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۳۰

(۲) تہذیب الکمال: ۲۹/۴۴۲، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۶۸، تہذیب: ۱۰/۴۵۱

کے دور میں تھیں اور بعض صحابہ کا اس سلسلے میں بہت اونچا مقام بھی تھا، جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت سالم مولی ابو حذیفہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چار حضرات سے قرآن حاصل کرو۔(۱)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کے بارے میں فرمایا کہ ابی، ہم میں سب سے بڑے قاری ہیں۔(۲)

مگر اس کے باوجود ساری دنیا میں آج حضرت عاصم کوفی رحمۃ اللہ اور دوسرے قاریوں کی قرأت پڑھی جاتی ہے۔ غیر مقلدین بھی کہتے ہیں کہ فلاں قاری کی روایت کے مطابق یہ قرأت ہے، وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے قرأت پر مستقل کام کر کے اس کی تدوین کی اور پھر یہ نقل ہوتے چلی آ رہی ہیں، لہٰذا ان کی طرف منسوب کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ قاری عاصم کوفی رحمۃ اللہ اور فلاں کی قرآت ہے، اسی طرح بخاری کی حدیث و مسلم کی حدیث جو کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قربانی دے کر اس فن کو دیانت و امانت سے ہم تک پہنچایا؛ لہٰذا ان کی طرف اس کو منسوب کر دیا جاتا ہے۔ کیا کوئی عاقل یہ سوال کر سکتا ہے کہ حدیث بخاری و حدیث مسلم کیوں کہتے ہو؟ حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ و حدیث عمر رضی اللہ عنہ کیوں نہیں کہتے؟ افسوس کہ غیر مقلدین کو یہ واضح باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں اور وہ لوگوں کو الجھاتے ہیں۔

کیا بخاری و مسلم کی حدیث سب پر مقدم ہے؟

غیر مقلدین کے وساوس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فقہ حنفی میں بخاری و مسلم کی حدیثوں کے خلاف مسائل ہیں اور دوسری حدیثوں پر بخاری و مسلم کی حدیث مقدم ہے؛ لہٰذا فقہ حنفی غیر معتبر ہے۔

---

(۱) بخاری: ۴۶۱۵، مسلم: ۴۵۰۴، ترمذی: ۳۷۴۶ (۲) بخاری: ۴۶۲۱، احمد: ۲۰۱۷۲

یہ وسوسہ دراصل انتہائی بودہ ولغو قسم کا ہے؛ کیوں کہ نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث میں کہ بخاری ومسلم کی حدیث سب سے مقدم ہے، اگر یہ اللہ ورسول کی بات ہوتی تو بلاشبہ حنفی اس کے پابند ہوتے اور نہ ہوتے تو اس پر جرح وتنقید کا بھی دوسروں کو حق ہوتا، مگر جو بات قرآن وسنت میں ثابت نہیں اور وہ کسی کا قول ہے تو حنفی فقہ اس کی پابندی کیوں کرے؟ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے تشریف لانے سے پہلے ’’فقہ حنفی‘‘ کی تدوین ہو چکی تھی اور ہزارہا علما وائمہ اس فقہ کی اتباع اور اس کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے، اس کے بعد امام بخاری وامام مسلم تشریف لائے تو فقہ حنفی ان حضرات کے پہلے ہی صحیح سندوں کی جانچ پڑتال کر کے مرتب ہو چکا، اس کو یہ کہہ کر ٹھکرانا کہ بعد میں آنے والے امام بخاری وامام مسلم کی حدیث کے موافق نہیں ہے، محض بے سمجھی کا نتیجہ ہے یا تعصب کا کرشمہ؛ کیوں کہ صحیحین کے مقدم ہونے کا سوال بعد والوں کے لیے ہو سکتا ہے، نہ کہ ان سے پہلے والوں کے لیے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقیہ ہونے کے ساتھ بڑے محدث تھے اور بڑے بڑے محدثین سے انھوں نے حدیث سنی اور ان سے بھی بڑے بڑے محدثین نے روایت کی ہے اور اس کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کی روایت میں اور اس کے قبول کرنے میں کڑی شرائط کے پابند تھے، انھوں نے چھان پھٹک کر احادیث کو لیا اور ان پر اپنے فقہ کی بنیاد رکھی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سے روایت کرنے والے اور جن سے آپ نے روایت کی ہے ان کے بہت سے نام گنائے ہیں۔ (۱)

اور حضرت یحیی بن معین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۸، تہذیب: ۱۰/۴۴۹

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ثقہ تھے اور اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتی تھی اور جو حفظ نہ ہوتی اس کو بیان نہ کرتے، نیز فرمایا کہ ابوحنیفہ حدیث میں قابل اعتماد تھے۔ (۱)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی غور کیا تو یہی پایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کی تائید کسی نہ کسی حدیث واثر سے ہورہی ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ فقہ حنفی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب نے قرآن و حدیث وآثار صحابہ واجماع وقیاس (اس کی تفصیل گزر چکی ہے) سے مدون ومرتب فرمایا ہے اور اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ وغیرہ تشریف لائے ہیں، تو ان کی حدیث مقدم ہوجائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ قول نہ اللہ کا ہے نہ رسول اللہ کا، اسی لیے حنفی بزرگ وفقیہ ومحدث علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے ”فتح القدیر“ میں فرمایا کہ یہ جو کہا جاتا ہے: ”بخاری ومسلم کی حدیث سب سے اصح ہے، پھر وہ جو صرف بخاری میں ہو پھر وہ جو صرف مسلم میں ہوالخ۔“ یہ محض تحکم وسینہ زوری کی بات ہے، جس کی تقلید جائز نہیں؛ کیوں کہ اصح ہونے کا مدار تو اس پر ہے کہ راوی میں وہ شرائط پائی جائیں، جن کا خود امام بخاری رحمۃ اللہ ومسلم رحمۃ اللہ نے اعتبار کیا ہے۔ (۳)

پھر غیر مقلدین کے اس وسوسے پر اس طور پر بھی نظر کرنا چاہیے کہ بخاری و مسلم کی حدیث یا اور کسی حدیث صحیح کے ثابت ہوجانے سے اس پر عمل ضروری نہیں ہو جاتا؛ بل کہ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ حدیث کی دلالت اپنے مضمون پر کس درجہ کی ہے اور یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں منسوخ تو نہیں، یا مؤول تو نہیں۔ مثلاً:

(۱) بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی عورت سے جماع کرے مگر انزال نہ ہو تو صرف وضو کرلے اور

---

(۱) تہذیب: ۱۰/۴۵۰ (۲) الخیرات الحسان، بہ حوالہ ابوحنیفہ واصحابہ: ۵۰ (۳) فتح القدیر: ۱/۴۶۲

شرمگاہ دھولے۔ (۱)

مگر اس پر کسی کا عمل نہیں ہے اور اس کو دوسری حدیث کی وجہ سے منسوخ مانا جاتا ہے اور خود غیر مقلد بھی اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ آپ (اپنی نواسی) حضرت امامہ بنتِ زینب کو اپنے اوپر اٹھا لیتے تھے اور جب سجدہ کرتے تو ان کو اتار دیتے۔ (۲)

بخاری و مسلم کے علاوہ نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (۳)

مگر کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہر آدمی کو نماز کے وقت اپنی نواسی کو کندھے پر سوار کرا کر نماز پڑھنا سنت ہے؟ اور کیا بخاری و مسلم کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے سارے غیر مقلدین اپنی اپنی نواسیوں کو یا کسی بچی کو نماز میں کندھے پر بٹھا لیتے ہیں؟

(۳) بخاری و مسلم دونوں حضرات نے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ (۴)

اور بخاری میں اس کے خلاف بیٹھ کر پیشاب کرنے کی کوئی حدیث نہیں ہے اور ابن ماجہ، ترمذی و نسائی نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی تم سے بیان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ (۵)

---

(۱) بخاری: ۲۸۳، مسلم: ۵۲۴ (۲) بخاری: ۴۸۶، مسلم: ۸۴۴

(۳) نسائی: ۱۱۸۹، ابوداؤد: ۷۸۲، مسند احمد: ۲۱۴۸۱

(۴) بخاری: ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۳، مسلم: ۴۰۲، ۱۳۳

(۵) ترمذی: ۱۲، نسائی: ۲۹، ابن ماجہ: ۳۰۳

اب غور کرنا چاہیے کہ کیا صرف اس وجہ سے کہ پہلی حدیث بخاری و مسلم میں ہے پیشاب کھڑے ہو کر کرنے کو سنت قرار دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں! بل کہ اس میں تاویل کی جائے گی اور دوسری حدیث کو جو کہ دوسری کتب کی ہے، ترجیح دی جائے گی کہ اصل عادت تو آپ کی بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی، کبھی کبھی کسی عذر سے یا بیان جواز کے لیے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، اگر کوئی شخص اس تاویل کے بغیر صرف بخاری و مسلم کی حدیث کے ظاہر پر یہ حکم لگا دے کہ کھڑے ہو کر ہی پیشاب کرنا سنت رسول ہے تو یہ جفا و ظلم ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی حدیث کے بخاری و مسلم میں ہونے سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی اپنے مضمون پر دلالت اور دوسری حدیثوں سے اس کی تطبیق ترجیح یا اس کا منسوخ ہونا یا مؤول ہونا وغیرہ امور ایک مستقل چیز ہے۔ اس لیے فقہ حنفی کو بخاری و مسلم کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

کیا فقہ حنفی، ضعیف احادیث پر مبنی ہے؟

غیر مقلدین کے وساوس میں سے ایک وسوسہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کو ضعیف احادیث پر مبنی قرار دیتے ہیں، اس کا جواب امور ذیل میں درج ہے:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ فقہ حنفی ضعیف حدیثوں پر مبنی ہے یا صحیح حدیثوں پر، اس کا فیصلہ تو وہ کر سکتا ہے جو فن حدیث سے واقف ہو اور اس میں درجہ امامت و اجتہاد پر فائز ہو اور یہ غیر مقلدین جن کو اردو کی کتاب بھی ٹھیک سے پڑھنا نہیں آتا اور بخاری و مسلم کی چند حدیثوں پر ناقص طور پر عمل کر کے اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور فن حدیث سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ان کے کہنے اور فیصلہ کرنے کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اور ان کے مقابلے میں ہمیشہ سے ساری دنیا کے علما و ائمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پر اعتماد کرتے آئے ہیں اور تعریف وتوصیف وتوثیق و تصدیق فرمائی ہے، اگر ان کی فقہ ضعیف احادیث پر مبنی ہوتی تو یہ ائمہ وعلما ان کی فقہ پر اعتماد اور اس کی تعریف وتوثیق کیسے فرما سکتے ہیں؟

مثلاً: مشہور محدث امام جرح و تعدیل حضرت یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم جھوٹ نہیں بولتے، ہم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے بہتر کوئی رائے نہیں سنی اور ہم نے آپ کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سارے لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں اور یحیی بن معینؒ نے فرمایا کہ حضرت وکیع بن الجراح رحمہ اللہ (جو امام شافعی کے استاذ اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں) امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے اور امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ابوحنیفہ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں اور ابن معین نے فرمایا کہ میرے نزدیک قرأت تو حضرت حمزہ کی ہے اور فقہ امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے اور میں نے لوگوں کو اسی پر پایا ہے اور محدث یزید بن ہارون نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار آدمیوں سے ملاقات کی ہے اور ان میں سے اکثر حضرات سے میں نے حدیث لکھی ہے، لیکن پانچ حضرات سے زیادہ فقیہ، عالم اور متقی میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور ان میں سے ابوحنیفہ رحمہ اللہ اول نمبر پر ہیں۔ (۲)

یہ سارے اقوال، کتب اسماء الرجال میں درج ہیں، جن سے امام ابوحنیفہ کی فقہ پر علما وائمہ کا اعتماد ظاہر ہو رہا ہے، کیا ضعیف احادیث پر مبنی فقہ پر یہ فن حدیث کے

---

(۱) تہذیب: ۱۰/۸، ۴۵۰

(۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۸، تہذیب: ۱۰/۴۴۹، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۰۰

ائمہ فن اسماء الرجال کے ماہرین، ایسا اعتماد ظاہر کر سکتے ہیں اور کیا اس کے مطابق فتویٰ دے سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا فقہ حنفی کے خلاف یہ پروپگنڈا محض جھوٹ پر مبنی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا بھی ایک اجتہادی معاملہ ہے اور اس میں بھی آرا کا اختلاف ہو سکتا اور ہوتا ہے۔ چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے مابین بھی بعض احادیث میں اختلاف ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ”عنعنہ“ والی حدیث میں راوی اور اس کے شیخ کا لقا ثابت ہونا ضروری ہے؛ محض معاصرت و امکان لقا کافی نہیں، مگر امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے مسلک پر مقدمے میں سخت تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ راوی اور اس کے شیخ کا محض معاصر ہونا اور دونوں میں لقا کا امکان ہونا صحت حدیث کے لیے کافی ہے، اس طرح اور بھی بعض شرائط میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے۔ نیز راوی کے بارے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، ایک محدث ایک راوی کو ثقہ قرار دیتا ہے؛ مگر وہ دوسرے محدث کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے خود بخاری اور مسلم میں متعدد ایسے راوی ہیں، جن کے بارے میں دوسرے محدثین نے جرح کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث پر صحیح و ضعیف ہونے کا حکم اجتہادی امر ہے، جس میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کسی روایت و حدیث کے امام بخاری یا دوسرے بعض ائمہ کے نزدیک ضعیف ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ تمام ائمہ کے نزدیک ضعیف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ احادیث صحیح ہوں، جن کو ضعیف کہا جا رہا ہے جس طرح کہ دارقطنی کے نزدیک بخاری و مسلم کی متعدد احادیث ضعیف ہیں چناں چہ دارقطنی نے امام بخاری و امام مسلم کی ان احادیث پر ”استدراک“ لکھا ہے۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔ غرض یہ کہ غیر مقلدین کا یہ اعتراض یا وسوسہ کہ فقہ حنفی

ضعیف احادیث پر مبنی ہے محض اٹکل اور نا قابل التفات ہے۔

(۴) ہاں ایک بات غور سے سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی باب میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اور صرف ضعیف حدیث ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ قیاس کے بہ جائے ضعیف حدیث ہی کو قبول فرما لیتے ہیں اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا بھی ہے۔ چناں چہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

> امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک رائے و قیاس سے اولیٰ ہے اور اسی پر ان کا مذہب مبنی ہے۔ (۱)

نیز علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے اور اس میں تمام ائمہ ان کے ساتھ متفق ہیں (اعلام ۱/۳۱) اور ابن حزم ظاہری نے بھی اپنی کتاب ''الإحکام في أصول الأحکام'' (۷/۵۴) میں امام ابوحنیفہ کے اس مسلک کا ذکر کیا ہے۔

اندازہ کیجیے کہ امام ابوحنیفہ ضعیف احادیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کو نہیں اختیار کرتے، چہ جائے کہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے قیاس کریں؟ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ صحیح احادیث اور اگر صحیح احادیث نہ ہوں تو ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس بات کو بگاڑ کر یوں تعبیر کرنا کہ فقہ حنفی کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے۔ محض تعصب و جہالت ہے۔

امام ابوحنیفہ کا علمی مقام

غیر مقلدین نے محض تعصب و عناد سے ایک وسوسہ یہ پیدا کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو قرآن و حدیث کا علم نہیں تھا اور یہ کہ ان کو صرف سترہ حدیثیں یاد

---

(۱) اعلام: ۱/۷۷

تھیں اور غیر مقلدین کے ایک مشہور عالم مولانا صدیق حسن خان بھوپالی نے تو حد ہی کر دی اور یہ لکھ دیا کہ ابو حنیفہ عربی زبان سے بھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔ (۱)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض تعصب و عناد کی بنا پر ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ہم نے اوپر ائمہ کبار سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی فقہ پر اعتماد اور اس کی تعریف و توثیق نقل کی ہے اور یہ ائمہ بڑے بڑے محدثین اور جرح و تعدیل کے ماہرین تھے۔ اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو علم نہ تھا حدیث سے واقفیت نہ تھی اور صرف سترہ حدیثیں ان کو یاد تھیں، تو ان ائمہ نے ان کی اور ان کے فقہ کی تعریف و توثیق کیسے فرما دی؟

دوسرے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قرآن و حدیث کے ماہر ہونے پر صراحت کے ساتھ ائمہ کرام کے اقوال کتب رجال و سیر میں موجود و محفوظ ہیں، ان کے ہوتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو قرآن و حدیث سے بے خبر کہنا انتہائی جسارت اور ائمہ اسلاف سے بدظنی اور ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ ساتھ در پردہ اسماء الرجال کے مقدس علم سے اعتماد ختم کرنے کی ناپاک کوشش و سازش بھی ہے، آخر اسی فن اسماء الرجال کی بنا پر لوگ امام بخاری رحمۃ اللہ و امام مسلم رحمۃ اللہ اور دیگر محدثین کی جلالت و بزرگی اور ان کے علم و عمل اور قربانیوں و خدمات کو جانتے اور مانتے ہیں؟ اگر اسی علم کی بنا پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی بزرگیاں ثابت ہوں اور کوئی ان کو نہ مان کر ان کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ علم اسماء الرجال کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ اب آیئے! امام ابو حنیفہ کا علمی مقام انھی کتب سے معلوم کریں۔

امام شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' چار جلدوں میں لکھی

---

(۱) ابجد العلوم: ۳/۱۰۰

ہے اور اس میں ان کے بہ قول صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو "علم نبوی" کے حاملین ہیں، جو عادل و متقی ہیں اور احادیث کی توثیق و تضعیف اور تصحیح و تضعیف کے سلسلے میں جن کے اجتہاد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب میں علامہ ذہبی نے علم نبوی (حدیث) کے ماہرین اور حدیث کی جانچ پرکھ کے سلسلے میں قابل اعتماد بزرگوں کا تذکرہ لکھا ہے۔

اس تذکرۃ الحفاظ میں "الامام ابوحنیفہ" کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

كَانَ إِمَامًا وَرِعًا عَالِمًا عَامِلاً مُتَعَبِّدًا كَبِيْرَ الشَّانِ. (۲)

ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے کہ مشہور محدث امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر رحم کرے کہ وہ امام تھے۔ (۳)

علامہ سیوطی نے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں مستقل رسالہ "**تبییض الصحیفة**" لکھا ہے، اس میں خلف بن ایوب رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ علم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا پھر صحابہ کی طرف پھر تابعین کی طرف پھر ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی طرف۔ (۴)

عبداللہ بن داود الحربی نے فرمایا کہ اہل اسلام پر ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لیے دعا کریں پھر انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس کا زمانے کا ذکر کیا کہ حدیث و فقہ کو محفوظ و مدون کیا۔ (۵)

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ و شداد بن حکیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (۶)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱ (۲) تذکرۃ: ۱۶۸/۱ (۳) تذکرۃ: ۱۶۹/۱ (۴) ابوحنیفہ و اصحابہ: ۹

(۵) تاریخ بغداد: ۳۴۴/۱۳ تہذیب الکمال: ۴۲۲/۲۹ (۶) تاریخ بغداد: ۳۴۵/۱۳

یزید بن ہارون محدث رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار آدمیوں سے ملاقات کی اور ان میں سے اکثر سے حدیث لکھی؛ لیکن پانچ حضرات سے زیادہ فقہ میں علم اور تقوی میں کسی کو نہیں دیکھا اور ان پانچ میں اول نمبر پر ابوحنیفہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اپنے زمانے کے سب اپنے زمانے کے سب ہیں۔ (۲)

امام بخاری کے شیخ امام یحیی بن آدم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ نے اپنے شہر کوفہ کی ساری حدیثیں جمع کر لی تھیں اور انھوں نے اس میں غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری وقت میں کس بات پر تھے یعنی آخری سنت کیا تھی؟

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ میں جب بھی کسی حدیث کی طرف مائل ہوتا، تو ابوحنیفہ کو صحیح حدیث کے بارے میں میرے سے زیادہ صاحب بصیرت پاتا۔ (۳)

یہ سارے اقوال صاف بتا رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے امام و عالم و فقیہ و محدث تھے، فن حدیث میں مہارت رکھتے تھے اور اسماء الرجال کے فن کے بھی ماہر تھے اور آپ کی طرف اس فن میں رجوع کیا جاتا تھا، اس کے باوجود یہ کہنا کہ آپ کو حدیث کا علم نہ تھا، انتہائی جہالت کی بات ہے پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ نے ہزاروں احادیث سے انتخاب کر کے حدیث کی روایت کی ہے اور وہ روایات مختلف کتب حدیث میں جمع ہیں۔ نیز آپ کے شاگردوں نے اس مروی مجموعے کو کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ جو "**مسند أبي حنيفة**" و "**كتاب الآثار**" کے نام سے دنیا میں معروف و مشہور اور علما کے درمیان میں مستند و متداول ہے، آخر میں ایک بات ابن خلدون مؤرخ کی نقل کر کے اس جواب کو ختم کرتا ہوں۔ وہ اپنے معرکۃ الآراء "مقدمة ابن خلدون" میں فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع العلم: ۲۹/۱، تاریخ بغداد: ۳۶۳/۱۳، تہذیب الکمال: ۴۳۹/۲۹

(۲) تاریخ بغداد: ۳۶۰/۱۳

”بعض بغض وعناد رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ مجتہدین میں سے بعض حدیث کے بارے میں قلیل البضاعت تھے؛ اسی لیے ان کی روایت حدیث کم ہوگئی؛ مگر ائمہ کبار کے بارے میں اس اعتقاد کی کوئی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ شریعت تو کتاب وسنت ہی سے اخذ کی جاتی ہے اور جو حدیث میں کم سرمایہ رکھنے والا ہو، اس پر یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ وہ اس کی طلب وجستجو میں لگے؛ تا کہ اصول صحیحہ سے دین حاصل کرے اور احکام کو ان کے اصل مبلغ سے حاصل کر سکے اور امام ابوحنیفہ نے جو روایت کم کی ہے تو اس کی وجہ روایت اور اس کے تحمل کی شرائط میں ان کا سخت ہونا ہے، یہ نہیں کہ انہوں نے عمداً حدیث کی روایت ترک کر دی تھی اور حدیث کے علم میں آپ کے کبار مجتہدین میں سے ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ علما کے درمیان آپ کے مذہب پر اعتماد و بھروسہ ہے اور رداً وقبولاً اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔(۱)

غرض یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ حدیث نہیں جانتے تھے، غلط پروپگنڈہ ہے اور جھوٹ ہے۔

رہی یہ بات کہ آپ سے احادیث کی روایت کم ہوئی ہے، تو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث کا جاننا الگ بات ہے اور روایت کرنا دوسری چیز ہے: ایک محدث حدیث جاننے کے باوجود روایت کرنے میں کمی کر سکتا ہے اور اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں، کون نہیں جانتا کہ تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ومصاحبت سب سے زیادہ حاصل تھی اور تمام صحابہ میں علم وعمل کے لحاظ سے یہ حضرات سب سے فوقیت رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صرف ایک سو بیالیس احادیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کل پانچ سو انچالیس احادیث مروی ہیں اور ان کے مقابلے میں بعض اور صحابہ جیسے حضرت

---

(۱) مقدمۃ ابن خلدون: ۴۴۴

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث مروی ہیں، وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو دیگر ذمے داریوں کی وجہ سے اس کے لیے فرصت نہ ملی کہ وہ احادیث روایت کریں یا یہ کہ وہ روایت کرنے میں احتیاط برتتے تھے، یہی حال امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تھا کہ ان کے یہاں حدیث کی روایت کے لیے سخت شرائط تھیں، تو احتیاطاً وہ کم روایت کرتے تھے اور یہ دراصل خوبی و کمال ہے نہ کہ عیب و نقص۔

کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ضعیف تھے؟

غیر مقلدین نے ایک وسوسہ لوگوں کے درمیان یہ پیدا کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ضعیف تھے، غیر مقلد عالم مولانا صدیق حسن خان صاحب نے ”ابجد العلوم“ میں لکھا کہ ابو حنیفہ کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بات ایسی ہی ہے، جیسا کہ ان کے مذہب میں نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔(۱)

مگر یہ وسوسہ بھی بغض و عناد و تعصب کا نتیجہ ہے؛ کیوں کہ کتبِ اسماءِ رجال میں متعدد کبار ائمہ سے آپ کی توثیق و تعدیل اور حدیث میں ثقہ و قابل اعتماد ہونا اور آپ کا حفظ حدیث میں جید ہونا صراحت سے مذکور ہے، یہاں چند حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) امام یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، انھوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ثقہ (قابل اعتماد) تھے اور صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے، جو حفظ ہوتی اور جو حفظ نہ ہوتی، تو بیان نہ کرتے۔(۲)

(۲) امام ابن معین ہی نے ایک روایت میں فرمایا کہ ابوحنیفہ میں کوئی خرابی نہیں (لاباس به) (بہ حوالۂ سابق) اور ابن معین کی اصطلاح میں ”لاباس به“ توثیق

---

(۱) ابجد العلوم: ۳/۱۰۰ (۲) تہذیب الکمال: ۲۹/۴۳۴؛ تہذیب التہذیب: ۱۰/۴۴۹

کے لیے استعمال ہوتا تھا، جیسا کہ اس فن سے مناسبت رکھنے والے جانتے ہیں۔ (۱)

(۳) ابن معین رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں، میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا، یہ شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ ہیں جو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کریں اور اس کا حکم دیتے ہیں اور شعبہ رحمۃ اللہ تو شعبہ ہیں۔ (۲)

مطلب یہ کہ شعبہ جیسے محتاط محدث جو کسی ضعیف سے روایت نہیں کرتے، جب انھوں نے ابوحنیفہ کو حدیث بیان کرنے کا حکم دیا تو اس کا کیا وزن ہوگا، اندازہ کیا جائے۔

(۴) امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے سفیان ثوری و ابن المبارک نے روایت کیا ہے اور وہ ثقہ تھے جن میں کوئی خرابی نہیں۔ (۳)

(۵) امام ابن لمبارک رحمۃ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی توثیق وتعدیل فرمائی ہے، چناں چہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے ''الانتقاء'' میں اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن داوٗد سے نقل کیا ہے کہ امام ابن المبارک، امام ابوحنیفہ کے بارے میں، ہر خوبی بیان کرتے اور ان کی توثیق وتعدیل کرتے اور ان کی تعریف فرماتے۔ (۴)

(۶) امام ابوداوٗد نے فرمایا کہ اللہ ابوحنیفہ پر رحم کرے، وہ امام تھے۔ (۵)

یہ امام ابوداوٗد کی طرف سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی توثیق ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی کے بارے میں ''امام'' کہنا بڑے اونچے درجے کی توثیق ہے۔ (۶)

(۷) امام شعبہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ''جیّد الحفظ'' (اچھے حافظے) والے ہیں۔ (۷)

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۱۸۶، فتح المغیث: ۱/۳۹۶ (۲) الانتقاء: ۱۲۷ (۳) الجواہر المضیۃ: ۱/۲۹

(۴) الانتقاء: ۱۴۰ (۵) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۹ (۶) فتح المغیث: ۱/۱۶۹

(۷) الخیرات الحسان بہ حوالۂ مقدمۃ اعلاء السنن: ۱/۱۹۸

یہ بہ طور نمونہ چند کبار محدثین کے اقوال پیش کیے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ضعیف نہیں: بل کہ ثقہ و قابل اعتماد تھے، حتیٰ کہ امام ابو داؤد نے لفظ ''امام'' کہہ کر آپ کی توثیق وتعریف کا حق ادا فرما دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ حافظے کے لحاظ سے بھی قابل اعتماد تھے۔ جیسا کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ **''جیّد الحفظ''** تھے۔

ان ائمہ کبار کی توثیق وتعریف جو یہاں نقل کی گئی، وہ محض نمونے کے لیے ہے ورنہ بڑے بڑے محدثین وائمہ نے آپ کے فضائل ومناقب میں ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جیسے:

(۱) امام ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ نے **''الانتقاء''**.

(۲) امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ نے **''الخیرات الحسان''**.

(۳) امام سیوطی شافعی رحمۃ اللہ نے **''تبییض الصحیفة''**.

(۴) امام شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ نے ایک جزو رسالہ۔

(۵) علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمۃ اللہ نے **''عقود الجمان في مناقب النعمان''** لکھی، ان کے علاوہ ہزاروں کتب ورسالوں میں آپ کا تذکرہ موجود ہے اور آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے۔

ہاں! بعض حضرات نے اس جلیل القدر وعظیم المرتبت امام کی تنقیص وتضعیف کی ہے: مگر اس کا کوئی وزن علمی دنیا نے نہیں مانا، بل کہ خود ان تنقیص کرنے والوں پر تنقید کی، کیوں کہ ان میں اکثر نے یا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے بارے میں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تضعیف کی ہے یا حسد کی وجہ سے کی ہے۔

چناں چہ عبد اللہ بن داؤد محدث رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں لوگ دو طرح کے ہیں: یا تو آپ کے مقام سے ناواقف ہیں یا آپ سے حسد کرنے

والے ہیں۔ (۱)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ نے فرمایا :

''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے جن محدثین نے روایت کی اور آپ کی توثیق کی، وہ ان کے مقابلے میں زیادہ ہیں، جنھوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔ (۲)

آخر میں علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ کی یہ عبارت پیش کرکے، دعوت غور وفکر دیتا ہوں وہ فرماتے ہیں:

والصحيح في هذاالباب أن من صحت عدالته و ثبتت في العلم أمانته و بانت ثقته وعنايته بالعلم ، لم يلتفت فيه إلى قول أحد إلا أن يأتي في جرحته ببينةٍ عادلةٍ. (۳)

(اس باب میں صحیح بات یہ ہے کہ جس کی عدالت صحیح طور پر ثابت ہوجائے اور علم میں اس کی امانت معلوم ہوجائے اور اس کی ثقاہت اور علم کے بارے میں اس کی عنایت ظاہر ہوجائے اس کے بارے میں کسی کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی؛ مگر یہ کہ اس کی جرح کے بارے میں وہ عادل گواہ پیش کرے۔)

اس عبارت میں غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجیے کہ سیدنا الامام ابوحنیفہ جن کی ثقاہت وعدالت تواتر کے ساتھ ہر زمانے وعلاقے میں معروف ومشہور رہی ہے، ان کو جہالت یا حسد یا سنی سنائی باتوں کی وجہ سے ضعیف کہنا علمی دنیا میں کیا وزن رکھتا ہے؟

اگر کسی کے بارے میں محض جرح کا ہوجانا، بلا تحقیق، قابل قبول ہو تو پھر شاید ہی کوئی امام ومحدث جرح سے بچے گا، کیوں کہ ہر امام کے بارے میں کچھ نہ کچھ لوگ کسی

---

(۱) تہذیب الکمال: ۴۲۱/۲۹، تہذیب التہذیب: ۴۵۰/۱۰ (۲) جامع العلم: ۱۴۹/۲

(۳) جامع العلم: ۱۸۶/۲

نہ کسی معقول یا غیر معقول وجہ سے جرح کرنے والے مل جائیں گے، حتیٰ کہ بعض حضرات نے امام بخاری رحمۃ اللہ کو مدلس کہہ کر اور بعض نے خلق قرآن کے قائل ہونے کا الزام لگا کر متروک قرار دیا ہے، ابن معین رحمۃ اللہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ کو ضعیف کہا ہے، یہ سب امور اہل فن پر پوشیدہ نہیں، اگر ان باتوں کو قبول کر لیا جائے تو پھر کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔

ان سطور پر اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عقل سلیم اور فہم سلیم عطا فرمائے۔

* * *

تقلیدِ ائمہ، اجماع وقیاس کا شرعی حکم

امامِ حرم کا ایک اہم فتوی

یہاں تقلید ائمہ کرام واجماع وقیاس شرعی سے متعلق حرم مکی کے امام اور امور مسجد حرام ومسجد نبوی کے رئیس عمومی فضیلۃ الشیخ محمد عبد اللہ السبّیل حفظہ اللہ تعالی کا ایک اہم و تفصیلی فتویٰ بھی درج ہے؛ تا کہ یہ بات لوگوں کے سامنے صاف طریقہ پر آ جائے کہ غیر مقلدین کے مسلک میں اور علمائے عرب اور بالخصوص سعودی عرب کے علما اور حرم شریف کے ائمہ کے مسلک میں کتنا فرق ہے۔

جب کہ یہ غیر مقلدین اپنے مسلک کو علمائے عرب وائمہ حرم کے مطابق کہہ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ فتوی عربی میں ہے اس کا ترجمہ ”ماہنامہ دار العلوم“ میں شائع ہوا ہے اور عربی فتویٰ بھی اُسی میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

فتویٰ

از: فضيلة الشيخ محمد بن عبد الله السبيل

(إمام الحرمين الشريفين)

سیکریٹریٹ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نمبر ۱۰/۲۹۶: مورخہ ۸/محرم ۱۴۱۶ھ

عنوان : سوالات کا جواب۔

مکرم ڈاکٹر عدنان حکیم حفظہ اللہ تعالی بہ واسطہ شیخ غلام بن عبد الحکیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ۱۹/۷/۱۹۹۵ء کے مکتوب میں بعض سوالات کا جواب طلب کیا گیا

ہے۔ اس خط کے حوالے سے فضیلۃ الشیخ محمد بن عبد اللہ السبیل امورِ مسجد حرام و مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سربراہ کا مکمل جواب ارسال کرنے پر خوشی محسوس کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے۔

ڈاکٹر احمد مقری : **مدير المجمع الفقهي الإسلامي**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی ادارہ برائے امور مسجد حرام و مسجد نبوی

(مملکت عربیہ سعودیہ)

(ڈاکٹر عدنان حکیم کے سوالات کا جواب)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، میں درود وسلام کہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہمارے آقا ہیں اور اس کے بندے اور رسول؛ نیز آپ کی آل پر اور تمام اصحاب پر۔

سوال نمبر (۱): کیا صحابۂ کرام، تابعین عظام اور فقہائے امت کا اجماع حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟ اور کیا اجماع تشریع اسلام کا تیسرا ماخذ ہے یا نہیں؟ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بالکلیہ اجماع کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: باتفاق علما صحابۂ کرام کا اجماع حجت شرعیہ ہے، اسی طرح تابعین اور فقہا کا اجماع بھی حجتِ شرعیہ ہے؛ البتہ اس میں داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ غیر صحابہ کا اجماع حجت شرعیہ نہیں؛ لیکن حجت ہونے کا قول صحیح ہے؛ کیوں کہ حجیتِ اجماع کے دلائل عام ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہ، غیر صحابہ سب کے اجماع کو شامل ہیں؛ اس لیے صرف صحابہ کرام کے اجماع کو حجت کہنا سینہ

زوری ہے، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ کتاب وسنت کے بعد اجماع کو تشریع اسلامی کے مآ خذ میں سے تیسرا مآ خذ تسلیم کیا گیا ہے۔

دلائل حجیت اجماع

جمہور علما کے نزدیک اجماع حجت شرعیہ ہے، اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس پر کتاب وسنت کے بہت سے دلائل ہیں، ہم ان میں سے چند ایک ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فرمان خداوندی ہے ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ... الآية﴾ جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور سبیل المؤمنین کے علاوہ کسی دوسرے راستے پر چلتا ہے، ہم اُس کو ادھر پھیر دیتے ہیں، جدھر وہ پھرتا ہے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ (النسآء: ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے سبیل المومنین کے ترک پر وعید فرمائی ہے، اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اس پر وعید نہ وارد ہوتی اور اس وعید میں سبیل المومنین کے ترک کو اور مخالفتِ رسول کو جو حرام ہے، جمع نہ کیا جاتا اور جب غیر سبیل المومنین کی اتباع حرام ہے، تو سبیل المومنین کی اتباع واجب ہوگی اور اجماعی حکم سبیل المومنین ہے، لہٰذا اس کی اتباع واجب ہے۔

(۲) اور سنت سے دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو یہ فرمایا کہ امتِ محمد کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ (۱)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے کٹا وہ آگ میں پڑا۔ (۲)

---

(۱) ترمذی: ۲۰۹۳ (۲) ترمذی: ۲۰۹۳

ان سب احادیث کا اختلافِ الفاظ کے باوجود مفہوم ایک ہے، یعنی مجموعی طور پر امت کا خطا سے معصوم ہونا۔ اس سے ثابت ہوا کہ علما کا اجماع حجتِ شرعیہ ہے۔ ہمیشہ ان احادیث سے بغیر کسی ردوقدح کے، پہلے صحابہ کرام پھر ان کے بعد والے علمائے عظام حجتِ اجماع کو ثابت کرتے رہے ہیں: تا آں کہ بعد میں مخالفین اجماع پیدا ہو گئے۔

منکرینِ اجماع کا حکم

اجماع قطعی کے منکر کے بارے میں علما کے تین قول ہیں:

(۱) مطلقاً اجماع قطعی کا انکار کفر ہے۔

(۲) مطلقاً اجماع قطعی کا انکار کفر نہیں۔

(۳) اگر اجماعی حکم کا دین میں سے ہونا، امر قطعی ہو، جیسے پانچ نمازیں تو اس کا انکار کفر ہے اور اگر اس کا دین میں ہونا، امر قطعی نہ ہو تو اس کا انکار کفر نہیں، تاہم اجماع کی مخالفت جائز نہیں۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اجماع حجت شرعیہ ہے، اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

سوال نمبر (۲): قیاس کی بنیاد ظن پر ہے اور جس چیز کی بنیاد ظن پر ہو وہ ظنی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ظن کی اتباع سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”اور اس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھے علم نہیں۔“ (الإسراء:۳۶)

لہٰذا قیاس کے ساتھ حکم بتانا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ اتباع ظن ہے۔

جواب: قیاس فقہ اسلامی کے مآخذ میں سے چوتھا ماخذ ہے اور اس کی حجیت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، اس پر صحابہ کرام، تابعین اور فقہائے امت نے قرنہا قرن عمل کیا ہے، جمہور علما کے نزدیک قیاس پر عمل کرنا واجب ہے، جب کہ داؤد ظاہری اور ان کے پیروکاروں نے اس کا انکار کیا ہے، انھوں نے کہا کہ

قیاس حجتِ شرعیہ نہیں ہے۔ ان کے دلائل میں سے ایک دلیل وہی ہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، علما نے ان کے دلائل کے جوابات بھی دیئے ہیں، ہم مختصر طور پر بعض جواب ذکر کرتے ہیں اور اگر آپ کو مزید وسعت درکار ہو، تو کتبِ اصولِ فقہ کی طرف مراجعت کیجیے۔ مثلاً علامہ جوینیؒ کی "البرهان"، امام رازیؒ کی "**المحصول**" "**الاحکام**" للآمدیؒ، "**شروح مختصر ابن حاجبؒ**" "**أصول سرخسي**" اور عبدالعزیز بخاریؒ کی "**کشف الأسرار**" ان کتابوں میں منکرین قیاس کا تفصیلی رد ہے۔ بہ ہر کیف وہ آیات جن میں اتباعِ ظن سے نہی کی گئی ہے، ان کا قیاس شرعی سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس پر منطبق ہوتی ہیں؛ کیوں کہ ان آیات میں جس چیز سے نہی کی گئی ہے، وہ ہے عقائد میں ظن کی اتباع۔ رہے احکامِ عملیہ سو ان کے اکثر دلائل ظنی ہیں، اگر ہم اس شبہ کا اعتبار کرلیں تو ہمیں وہ تمام دلائل شرعیہ ترک کرنے پڑیں گے جو ظنی الدلالت ہیں اور یہ باطل ہے، رہا ان کا اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿**وَ لاتَقْفُ مَالَيْسَ لَکَ بِہ عِلْمٌ**﴾ سے استدلال، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود نہی ہے، اس بات سے کہ کوئی انسان محلِ یقین میں امکانِ تیقن کے باوجود حصولِ یقین سے انحراف کرکے ظن وتخمین پر اعتماد کرے، پس یہ بھی قیاس شرعی کو شامل نہیں؛ کیوں کہ فروع واصول کے درمیان علتِ جامعہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کے اعتبار سے فرع کو اصل کے ساتھ لاحق کرنا، اس حکم کے قبیل سے نہیں جس سے آیت میں منع کیا گیا ہے، یعنی بغیر علم کے قول کرنا، کیوں کہ مجتہد اسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو اس کے نزدیک راجح ہوتی ہے اور اس کا اجتہاد اس تک پہنچتا ہے۔

سوال نمبر (۳): قیاس شرعی کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: علما نے قیاس کی حجیت کو کتاب وسنت اور اجماع سے نیز عقلی دلیل

سے ثابت کیا ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں اور اگر مزید دلائل معلوم کرنے کا ارادہ ہو تو ان کتب اصول کی طرف مراجعت کی جائے، جن کا میں نے منکرین قیاس کے شبہات کے رد میں پہلے ذکر کیا ہے، کتاب اللہ سے دلیل فرمان الٰہی ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ... الخ﴾ اللہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں کافروں کو ان کے گھروں سے نکالا، پہلے حشر کے وقت تمھارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور انھوں نے گمان کیا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کے عذاب سے بچالیں گے، سو ان پر اللہ کا عذاب ایسے طور پر آیا، جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا، وہ گراتے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مؤمنین کے ہاتھوں، پس عبرت پکڑو اے اربابِ بصیرت۔

محلِ استدلال اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ﴾ ہے؛ وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو اس عذاب کی خبر دی، جو بنونضیر پر نازل ہوا تو ان کو حکم دیا کہ وہ عبرت پکڑیں اور "الاعتبار"، "العبور" سے مشتق ہے اور "العبور" کا معنی ہے "المجاوزة" یعنی گذرنا؛ مقصود یہ ہے کہ اپنے نفوس کو ان پر قیاس کرو؛ کیوں کہ تم بھی ان جیسے بشر ہو اگر تم ان جیسے کام کرو گے، تو تمھارے اوپر بھی وہی عذاب اتر پڑے گا جو ان پر اترا۔

پس یہ آیت تمام انواع اعتبار کو شامل ہے اور جب قیاس میں فرع و اصل کے درمیان موجود علتِ جامعہ کی وجہ سے فرع سے اصل کی طرف مجاوزت ہوتی ہے، تو یہ بھی اس اعتبار کے انواع میں داخل ہوگا، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور سنت سے دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، تو دریافت فرمایا کہ آپ کیسے فیصلہ کریں گے؟

تو انھوں نے جواب دیا: کتاب اللہ کے ساتھ، فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر آپ کو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ ملے تو پھر؟ کہنے لگے میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی، جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

اور اس کی بہت سے محققین نے تصحیح کی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرنے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کتاب و سنت سے اجتہاد کی طرف منتقل ہونے کو درست قرار دیا ہے اور قیاس بھی اجتہاد کے انواع میں سے ایک نوع ہے۔

علاوہ ازیں ''عمل بالقیاس'' پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے اور ہر وہ امر جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو، وہ حق ہے، اس کا التزام واجب ہے، اس کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا مشہور حکم نامہ تحریری طور پر بھیجا کہ اشباہ و نظائر کو پہچانئے اور امور میں اپنی رائے کے ساتھ قیاس کیجیے (سنن کبریٰ بیہقی، الفقیہ والمتفقہ للخطیب) عقلی دلیل یہ ہے کہ کتاب و سنت کی نصوص محدود اور متناہی ہیں اور لوگوں کو درپیش مسائل غیر متناہی ہیں؛ کیوں کہ ہر زمان و مکان میں نئے مسائل ظہور پذیر ہوتے ہیں، سو اگر ان کے احکام معلوم کرنے کے لیے کتاب و سنت کی نصوص پر قیاس نہ کریں تو وہ بغیر حکم شرعی کے باقی رہ جائیں گے اور یہ باطل ہے؛ کیوں کہ شریعتِ مقدسہ عام ہے اور تمام نئے پیش آمدہ مسائل کو شامل ہے، ہر ہر واقعہ کے لیے شریعت میں حکم موجود ہے اور

مجتہدین پر لازم ہے کہ وہ استنباط کے قواعد معروفہ کے موافق استنباط کریں۔

سوال نمبر (۴): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے، جو درست اجتہاد کرے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو غلط اجتہاد کرے اس کے لیے ایک اجر ہے؟

جواب: اس سے مراد حاکم یا قاضی یا عالم مجتہد ہے، جب اس نے اجتہاد کیا اور اپنی ممکنہ استطاعت کسی مسئلے کے حکم معلوم کرنے میں صرف کی، اس کے باوجود اس سے حکم میں غلطی ہوگئی تو وہ گنہ گار نہ ہوگا؛ بل کہ اپنے اجتہاد پر ماجور ہوگا اور اگر اس نے حق کو پالیا تو اس کے لیے دوگنا اجر ہوگا: ایک اجر اجتہاد پر دوسرا اصابتِ حق پر، بشرطیکہ وہ شرائط اجتہاد کا عالم و حامل ہو اور اگر شرائطِ اجتہاد کا عالم و حامل نہ ہو اور محض تکلف کرکے اجتہاد کرے اور علم کا دعویٰ کرے تو یہ حدیث اس کو شامل نہیں۔

سوال نمبر (۵): جب تمام فقہائے مجتہدین کی آرا کسی واقعے کے ایک حکم پر متفق ہوں، تو کیا وہ قانون شرعی ہو جاتا ہے؟ کیا اس کی اتباع واجب ہے؟ یا اس کی مخالفت جائز ہے؟

جواب: جب تمام فقہائے مجتہدین کسی واقعے کے ایک حکم پر متفق ہو جائیں، تو اس کو اجماع شمار کیا جاتا ہے جس کی مخالفت ناجائز اور اتباع واجب ہے اور جو اس اجماع کی مخالفت کرتا ہے وہ اس وعید کی زد میں آتا ہے، جس کو ہم نے حجیتِ اجماع کے دلائل میں ذکر کیا ہے۔

سوال نمبر (۶): کیا احکامِ شرعیہ کے لیے قیاس کا چوتھے ماخذ کے طور پر اعتبار کیا جاتا ہے؟

جواب: کتاب وسنت اور اجماع کے بعد احکامِ شرعیہ معلوم کرنے کے لیے

’’قیاس‘‘ چوتھا ماخذ ہے، اس کے ذریعے احکام شرعیہ معلوم کیے جاتے ہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری نے ’’**کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة**‘‘ میں فرمایا ہے: ’’مطلب یہ ہے کہ کسی کے لیے بچاؤ نہیں؛ مگر کتاب اللہ میں یا سنت نبویہ میں یا علما کے اجماع میں، جب کہ ان میں حکم موجود ہو، پس اگر ان میں حکم موجود نہ تو پھر قیاس ہے۔ اس پر امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا: ’’**باب الأحكام التي تعرف بالدلائل و كيف معنى الدلالة و تفسيرها**‘‘ یعنی یہ باب ہے ان احکام کے بیان میں جو دلائل سے معلوم کیے جاتے ہیں اور دلالت کیسے ہوتی ہے اور اس کی کیا تفسیر ہے؟ (احکام القرآن:۲:۱۷۲)

سوال نمبر (۷): اس آدمی کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا ہے؟

جواب: اگر قائل کی مراد ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ والا قیاس ہے، تو قائل کا یہ قول درست ہے؛ کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ حسن بصری اور ابن سیرین سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا اور غلط قیاس کیا اور حکما نے کہا ہے اللہ کے دشمن نے غلط کہا؛ کیوں کہ اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی، حال آں کہ وہ دونوں ایک درجے میں ہیں کہ وہ دونوں بے جان مخلوق ہیں اور اگر قائل کا مقصد قیاس شرعی کا انکار و رد ہے اور اس پر طعن! تو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ ماہرین علما کا اجماع ہے اخذ بالقیاس پر اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، جب کہ شاذ اقوال کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال نمبر (۸): اسلامی شریعت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید (یعنی تقلید شخصی) کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسئلہ تقلید کے اعتبار سے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) مجتہدین

یعنی وہ علما جو دلائل سے مسائل مستنبط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، ان کے لیے تقلید جائز نہیں: بل کہ ان پر اجتہاد واجب ہے۔ (۲) عوام یعنی وہ لوگ جو اجتہاد کی قدرت و اہلیت نہیں رکھتے ان لے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید جائز ہے اور تقلید سے مراد یہ ہے کہ فقہی مسائل میں دلیل جانے بغیر مجتہد کے قول کی اتباع کرنا۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے" پس پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔" (الانبیاء: ۷) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان زخمی صحابی کے مشہور واقعے میں کہ جب وہ نہیں جانتے تھے، تو انھوں نے پوچھ کیوں نہ لیا؟ عاجز آدمی کے لیے بہ جز سوال کے، کسی بات میں شفا نہیں"۔

اور عامۃ الناس کو اجتہاد کا مکلّف بنانا متعذر ہے؛ کیوں کہ اجتہاد کا تقاضہ ہے کہ مجتہد میں خاص ذہنی صلاحیت ہو۔ علم میں پختگی ہو اور لوگوں کے احوال اور وقائع کی معرفت اور طلب علم اور اس پر صبر کی عادت اور اگر سب لوگ ان شرائط کو پورا کرنے کے لیے، ان کے حصول میں مشغول ہو جائیں تو کاروبار معیشت باطل ہو جائیں گے اور نظام دنیا درہم برہم ہو جائے گا۔

سوال (۹): کیا یہ آیت کریمہ ﴿اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ، امام مالک رحمۃ اللہ، امام شافعی رحمۃ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی تقلید پر منطبق ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: آیت سے مقصود یہ ہے کہ انھوں نے اپنے احبار کو ارباب کی طرح بنالیا؛ کیوں کہ انھوں نے ان کی ہر چیز میں اطاعت کی، چناں چہ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے عدی بن حاتم سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں آیا کہ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ نے فرمایا:

اے عدی! اس کو اتار پھینک! ۔ یہ بت ہے اور میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا آپ نے ﴿سُورَۃ التَّوبَۃ﴾ کی یہ آیت تلاوت کی ﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ.﴾ پھر فرمایا خوب سن لو، وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے؛ لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے، یہ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام کرتے، تو یہ اس کو حرام سمجھتے۔ سو کہاں ائمہ اربعہ اور کہاں وہ احبار جو اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ائمہ اعلام کو ان احبار جیسا سمجھا جائے؛ کیوں کہ ان ائمہ نے شریعتِ اسلامیہ کی خدمت میں اپنی پوری قوت صرف کی اور اس میں اپنی زندگیاں لگا دیں اور ان کے درمیان جو مسائل میں اختلاف ہے، وہ درحقیقت اختلافِ اجتہادات کی وجہ سے ہے۔ ان کا یہ اختلاف باعث اجر ہے اور یہ کہنا کہ مذکورہ بالا آیت۔ ائمہ اربعہ کو بھی شامل ہے جھوٹ ہے، بہتان ہے اس کا سبب جہالتِ عظیمہ ہے۔

سوال نمبر (۱۰): کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید شرک و کفر کے زمرہ میں داخل ہے؟

جواب: ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید غیر مجتہد کے لیے جائز ہے، اس کا کفر و شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ائمہ اربعہ حق اور دین حق کے داعی ہیں۔ انھوں نے اپنے نفوس کو علم شریعت کے سیکھنے سکھانے کے لیے وقف کر دیا۔ حتی کہ اس علم کا بڑا حصہ پایا جس کی وجہ سے ان میں اجتہاد کی قدرت و صلاحیت پیدا ہو گئی۔ سو عامۃ المسلمین جو ان کے مقلد ہیں، وہ راہ ہدایت اور راہ نجات پر ہیں۔ ان شاء اللہ۔

سوال نمبر (۱۱): اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مقلدین شرک اور کفر کرتے

ہیں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا یہ عقیدہ غلط ہے، اس کی قطعاً کوئی بنیاد نہیں اور یہ عقیدہ دلالت کرتا ہے، شریعت اسلامیہ سے بڑی جہالت پر؛ کیوں کہ شریعتِ اسلامیہ نے کفر و ایمان شرک و توحید کے درمیان فرق کیا ہے، ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ دین کا اتنا حصہ ضرور سیکھے، جس کے ساتھ وہ شرک و کفر اور اجتہاد کے درمیان فرق کر سکے۔

سوال نمبر (۱۲): کیا لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کے محتاج ہیں یا نہیں؟ اور جس مسئلے میں نص نہ ہو اس میں تقلید گمراہی ہے یا نہیں؟

جواب: اس کا جواب ویسا ہی ہے، جیسا ہم نے پہلے تفصیلاً لکھا ہے کہ غیر مجتہد محتاج ہے، مجتہد کی طرف اور مجتہد کی تقلید، خواہ غیر منصوص مسئلے میں ہو یا نص کے سمجھنے میں ہو، جائز ہے، یہ تقلید گمراہی کی طرف مفضی نہیں؛ بل کہ اس کا گمراہی سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال ہے۔

* * *

تمام دینی وعلمی، اصلاحی، درسی وغیرہ کتابوں کا اور بالخصوص

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب

مفتاحی دامت برکاتہم

کی تمام تصانیف کا مرکز

”مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور“

:

maktabahmaseehulummat@gmail.com

09036701512

09634307336

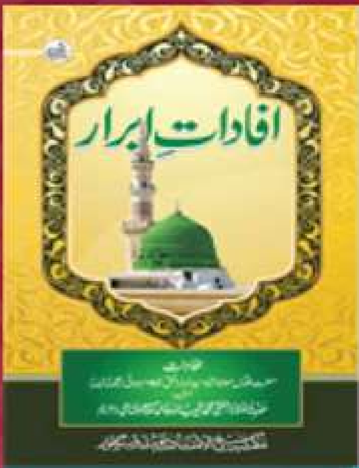
افاداتِ ابرار

فیضانِ معرفت

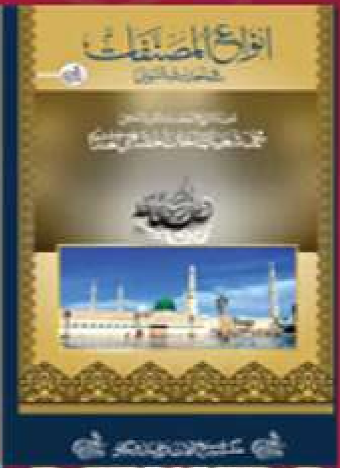
انواع المصنفات

التوحید الخالص

رمضان اور جدید مسائل

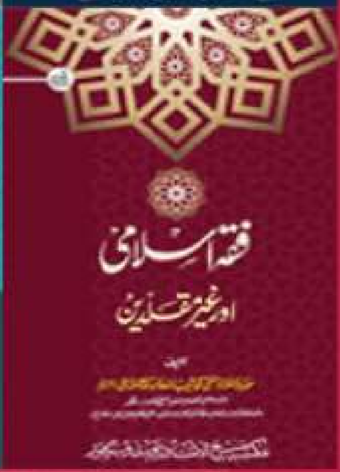
فقہ اسلامی
اور غیر مقلدین

حضرت اقدس کی جملہ کتابیں مفت ڈاؤن لوڈ کرنے اور دیگر مزید گراں قدر
معلومات کے اضافہ کیلئے ہماری ویب سائٹ پر وزٹ کیجئے۔

www.muftishuaibullah.com

MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND
Minara Market, Near Masjid-e-Rasheed, DEOBAND - 247554
Mobile: + 91-9634830797 / + 91- 8193959470
MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE
84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile : +91-9036701512
E-Mail:maktabahmaseehulummat@gmail.com